اعتذار واستدعا

آج بتاریخ ۱۰ رمحرم الحرام ۱۴۲۹ھ بمکان بیت الاذکار وصی آباد یہ حقیر محمد قمر الزمان الہ آبادی اس معرکۃ الآراء کتاب کی تسہیل وتوضیح سے فارغ ہوا، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے، اور امت کے عوام وخواص طالبین وسالکین سب کے لئے مفید بنائے۔ طریق وسلوک کے وضوح کے لئے بقعۂ نور بنائے۔ آمین

اس سلسلہ میں جو اس احقر سے کوتاہی وقصور ہوا جس کا اس حقیر کو بجا طور پر اعتراف ہے، اس لئے کہ اس کتاب میں فارسی عربی مندرجہ عبارتوں کی اصل کتابوں سے مراجعت اور حدیثوں کی تعلیق وتخریج کا حق ادا نہ ہوسکا۔ اللہ اس کو معاف فرمائے، اور آئندہ اس کتاب کی اور حضرت مصلح الامتؒ کے رسالوں اور کتابوں پر (جیسا کہ عزم وارادہ ہے) محنت کرنے اور اس کو ہر طرح محقق کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

اے اللہ! یہ تاریخ چونکہ بہت سے اہم واقعات پر مشتمل ہے فرعون اسی دن دریا میں غرق کیا گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نجات پائی۔ اللہ! آج کے دن کے اخیر لمحات میں بصد عجز ونیاز یہ دعا ہے کہ اس وقت کے فرعونوں کو غرق فرمائے، اور برباد فرمائے، جو اسلام اور اہل اسلام کو نیست ونابود کرنا چاہتے ہیں۔ اور امت کے تمام علماء ومشائخ اور جملہ مسلمین ومسلمات، تمام مساجد، مدارس، دینی جماعتوں اور اداروں کی کامل حفاظت فرمائے، اور اپنا فضل وکرم ہم سب پر مبذول فرمائے۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

بیت الاذکار، وصی آباد، الہ آباد
قبیل مغرب ۱۰ رمحرم الحرام ۱۴۲۹ھ

جو ہے اہل عشق کی ابتدا، جو ہے اہل عشق کی انتہاء
میں بتاؤں احمدؔ بے نوا، میرا اعتراف قصور ہے
مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ

اعتراف قصور

جس میں اکابر کے ان ارشادات وحکایات کو نقل کیا گیا ہے، جس کے ذریعہ ان کی فنائیت وصفت عبدیت، عاجزی وفروتنی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مرتبہ

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم
خویش ومجاز حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ

ناشر

مکتبہ دار المعارف الٰہ آباد
ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد

پیش لفظ

ا بسم الله الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم

امابعد!عن انس قال، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کل بنی اٰدم خطاء وخیرالخطائین التوابون.

(ابن ماجه ،کتاب الزهد ص ۳۱۳)

اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’اے آدم علیہ السلام کی اولاد (خصوصا میری امت کے افراد) سن لو کہ تم میں سے ہر شخص خطاوار ہے، اور بہترین خطاوار وہ ہے جو بکثرت اللہ سے توبہ کرتا ہے‘‘۔

لہذا اے مسلمانو! ہم سب کو اپنے ظاہری و باطنی احوال میں غور کر کے اپنی خطاؤں اور گناہوں کو معلوم کرنا چاہیے ،اور اللہ کی جناب میں اس کا اعتراف واعتذار کرتے رہنا چاہیے۔

خطائیں دو قسم کی ہیں۔ایک تو اللہ کے حقوق میں کوتاہیاں اور خطائیں ہیں۔ دوسری قسم بندوں کے حقوق میں کوتاہیاں اور خطائیں ہیں۔دونوں قسموں کی کوتاہیوں اور خطاؤں سے توبہ واستغفار کرنا ضروری ہے۔جس کا طریقہ اپنی ہی تصنیف گلدستۂ اذکار سے نقل کرتا ہوں، وہ یہ ہے۔

توبہ واستغفار

کتاب وسنت سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر گناہ سے توبہ واجب ہے۔ پس اگر معصیت، بندہ اور اللہ کے درمیان ہے تو اس سے توبہ کی صحت کے لئے تین شرطیں ہیں۔پہلی شرط یہ ہے کہ اس گناہ کو بالکلیہ ترک کر دے۔دوسری شرط یہ ہے کہ کی ہوئی معصیت پر دل سے نادم ہو۔اور تیسری شرط یہ ہے کہ یہ عزم وارادہ کرے کہ اب اس گناہ کی طرف کبھی نہ لوٹے گا۔اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی تو توبہ صحیح نہ ہوگی۔

اور اگر معصیت کسی آدمی سے متعلق ہو، تو اس سے توبہ کی چار شرطیں ہیں۔تین جو مذکور ہوئیں، چوتھی شرط یہ ہے کہ صاحب حق کا اگر اس کے ذمہ مال ہے تو اس کو ادا کرے یا اس سے معاف کرائے اور اگر کسی کو گالی دیا، یا بے ادبی وسخت کلامی کی ہے تو اس سے معافی مانگے۔خاص طور سے اپنے بڑوں مثلاً والدین، اساتذہ، مشائخ سے تو نہایت عاجزی سے معافی مانگنا چاہئے۔ اور اگر کسی پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو اس کو اپنے اوپر حد کی قدرت دے یا معافی طلب کرے۔اور اگر کسی کی غیبت یا شکایت کی ہے تو اس سے بھی معافی مانگے ،لیکن اگر اس کے اظہار میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس کا اظہار کئے بغیر عام معافی مانگ لے، اور اس کے لئے دعائے خیر کرتا رہے، بلکہ اس کی طرف سے مالی صدقہ بھی کرے تا کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت صاحب حق سے اس کی خطا کو معاف کرادے۔**وماذالک علی الله بعزیز.**

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں توبہ واستغفار کا امر فرمایا ہے۔ان میں سے ایک آیت یہ ہے جس میں توبۂ نصوح کا حکم صراحۃً فرمایا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا. (سورہ تحریم۸)	اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی توبہ کرو۔

توبہ نصوح کی نہایت جامع تعریف

مدارج السالکین میں حضرت العلامہ ابن القیمؒ نے التوبۃ النصوح کے بارے میں محمد بن کعب قرظیؒ کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔

یجمعها اربعة اشیاء الاستغفار باللسان والاقلاع بالابدان واضمار ترک العود بالجنان ومهاجرة سیء الاخوان. (مدارج السالکین ص۳۱۰ ج۱)	توبہ نصوح چار چیزوں سے مکمل ہوتی ہے۔(۱) زبان سے استغفار کرنا۔ (۲) بدن کے ذریعہ معصیت سے دوری اختیار کرنا۔(۳) آئندہ اسے نہ کرنے کا دل میں عزم کرنا۔ (۴) برے ساتھیوں سے علیحدگی اختیار کرنا۔

ف: سبحان اللہ! علامہ ابن القیمؒ نے توبہ کی چوتھی شرط ایسی تحریر فرمائی ہے جو عام کتابوں میں نہیں ملتی۔اور یہ ضروری اس لئے ہے کہ آدمی میں عموماً برائیاں بری صحبت ہی سے آتی ہیں۔لہذا علامہؒ نے یہ شرط لگائی کہ ممکن ہے فی الحال گناہ کے ترک کے باوجود برے مقامی ساتھیوں کی صحبت کی وجہ سے اس گناہ کا داعیہ عود کرآئے اور اس گناہ میں پہلے سے زیادہ مبتلاء ہوجائے،اس لئے بری

صحبت سے بہت بچنا چاہئے۔

چونکہ خطاؤں کی پہلی قسم یعنی حقوق اللہ کی ادائیگی میں قصور وکوتاہی تو اس کے متعلق حضرت مصلح الامت مولانا وصی اللہ صاحبؒ نے ''اعتراف ذنوب'' میں مفصل بیان فرمایا ہے۔اس لئے اس کو بغور پڑھیں تو انشاء اللہ حضرت مصلح الامتؒ کا پرتاثیر بیان اپنی خطاؤں سے توبہ واستغفار کرنے پر ضرور آمادہ کردے گا۔اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے شرف قبولیت سے بھی نوازے گا۔

رہی خطاؤں کی دوسری قسم جو حقوق العباد کی کوتاہیوں اور خطاؤں سے متعلق ہیں،تو اس کی اہمیت سے آگاہ کرنے اور اس سے توبہ کی طرف رغبت دلانے کے لئے یہ مضمون لکھ رہا ہوں تاکہ دلوں میں اس کی واقفیت کے بعد اس کی اہمیت ہوجائے اور توبہ واستغفار سے ان کی تلافی پر کمربستہ ہوجائیں۔اس سلسلے میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے علاوہ بزرگان دین میں سے حضرت فضیل ابن عیاضؒ حضرت سید احمد شہیدؒ حضرت العلامہ رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضرت مصلح الامت مولانا وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ اور حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ وغیرہم کے معافی مانگنے اور خود معاف کرنے کے واقعات درج کریں گے۔اور اس اہم مضمون کو ''اعتراف قصور'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے جیسے حضرت مصلح الامتؒ کی اصل کتاب ''اعتراف ذنوب'' کو مفید بنایا ویسے ہی ہمارے اس ضمیمہ رسالہ ''اعتراف قصور'' کو بھی مفید بنائے

اورقبول فرمائے۔آمین

اوراس رسالہ کا ''اعتراف قصور'' نام رکھنے کی خاص وجہ یہ ہوئی کہ حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحبؒ کے اشعار میں چونکہ اعتراف قصور کا لفظ آیا ہے جس کی وجہ سے اس مضمون کی طرف ذہن منتقل ہوااور اعتراف قصورنام ہی رکھ دیا۔وہ اشعار یہ ہیں ؎

کبھی طاعتوں کا سرور ہے، کبھی اعتراف قصور ہے
ہے ملک کوجس کی نہیں خبر، وہ حضور میرا حضور ہے
جو ہے اہل عشق کی ابتدا، جو ہے اہل عشق کی انتہاء
میں بتاؤں احمد بےنوا، میرااعتراف قصور ہے

اب اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کواعتراف ذنوب یعنی گناہوں کا اعتراف اوراس سے توبہ واستغفاراوراعتراف قصوریعنی اہل حقوق سے معافی مانگنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔اوراللہ ارحم الراحمین ہماری ہرقسم کی خطاؤں کومعاف فرمادے۔آمین یارب العالمین

محمد قمرالزمان الٰہ آبادی عفی عنہ
مدرسہ عربیہ بیت المعارف الٰہ آباد
محرم الحرام ۱۴۲۹ھ جنوری ۲۰۰۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله و كفىٰ وسلام علىٰ عباده الذين اصطفىٰ

اعتراف قصور کے متعلق یہ عرض ہے کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہم سنت بجناب الٰہی استغفار اور اعتراف ذنوب ہے ،اسی طرح باہم مخلوق کے حقوق کی ادائیگی میں کمی یا اپنے ہاتھ وزبان سے ایذا رسانی کے قصور وخطا کواللہ کی ناراضگی کا سبب سمجھ کر صاحبِ معاملہ سے عفوومعذرت کرنا یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے اہم سنت ہے۔

جیسا کہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ خلیفہ حضرت حکیم الامتؒ نے اپنی مشہور کتاب ''اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' میں مقام عبدیت کے عنوان کے تحت یہ روایت نقل کی ہے۔جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام صحابۂ کرام سے عفوودرگذر کرنے کوارشاد فرمایااورامت کے لئے اپنا ایک اہم اسوہ چھوڑا۔اللہ ہم سب کواس اسوۂ حسنہ پرعمل کی توفیق دے۔آمین

وہ روایت نقل کرتا ہوں۔

برسرِ منبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلماتِ معذرت

حضرت فضل رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار چڑھ رہا ہے اور سر مبارک پر پٹی باندھ رکھی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ میرا ہاتھ پکڑلو۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو آواز دے کر جمع کرلو۔ میں نے لوگوں کو جمع کرلیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد یہ مضمون ارشاد فرمایا ''میرا تم لوگوں کے پاس سے چلے جانے کا زمانہ قریب آ گیا ہے، اس لئے جس کی کمر پر میں نے مارا ہو میری کمر موجود ہے، بدلہ لے لے۔ اور جس کی آبرو پر میں نے حملہ کیا ہو، میری آبرو سے بدلہ لے لے۔ جس کا کوئی مالی مطالبہ مجھ پر ہو، وہ مال سے بدلہ لے لے۔ کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ مجھ سے بدلہ لینے سے میرے دل میں بغض پیدا ہونے کا ڈر ہے کیونکہ بغض رکھنا نہ میری طبیعت میں ہے نہ میرے لئے موزوں ہے۔ خوب سمجھ لو کہ مجھے بہت محبوب ہے وہ شخص، جو اپنا حق مجھ سے وصول کرلے، یا معاف کردے کہ میں اللہ جل شانہ کے یہاں بشاشت قلب کے ساتھ جاؤں۔ میں اپنے اس اعلان کو ایک دفعہ کہہ دینے پر اکتفاء کرنا نہیں چاہتا۔ پھر بھی اس کا اعلان کروں گا۔ چنانچہ اس کے بعد منبر سے اتر آئے، اور ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد پھر منبر پر تشریف لے گئے۔ اور وہی اعلان فرمایا۔ نیز بغض کے متعلق بھی مضمون بالا کا اعادہ فرمایا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس کے ذمہ کوئی حق ہو وہ بھی ادا کردے، اور دنیا کی رسوائی کا خیال نہ کرے کہ دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت کم ہے۔

ایک صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ میرے تین درہم آپ کے ذمہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں کسی مطالبہ کرنے

والے کی نہ تکذیب کرتا ہوں نہ اس کو قسم دیتا ہوں لیکن میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ (یہ درہم) کیسے ہیں؟ انھوں نے عرض کیا کہ ایک دن ایک سائل آپ کے پاس آیا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمادیا تھا کہ تین درہم اس کو دے دو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضلؓ سے فرمایا کہ تین درہم اس کو دیدو۔ اس کے بعد ایک اور صاحب اٹھے انھوں نے عرض کیا کہ میرے ذمہ تین درہم بیت المال کے ہیں میں نے خیانت کرکے بیت المال سے لے لئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیوں خیانت کی تھی؟ عرض کیا میں اس وقت بہت محتاج تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضلؓ سے فرمایا ان سے وصول کرلو۔ اس کے بعد پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جس کسی کو اپنے کسی حالت کا اندیشہ ہو وہ بھی دعا کرالے (کہ اب روانگی کا وقت ہے) ایک صاحب اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جھوٹا ہوں میں منافق ہوں بہت سونے کا مریض ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، یا اللہ اس کو سچائی عطا فرما، ایمان کامل عطا فرما اور زیادتی نیند کے مرض سے صحت بخش دے۔ اس کے بعد ایک اور صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جھوٹا ہوں منافق ہوں کوئی گناہ ایسا نہیں جو نہ کیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے اس کو تنبیہہ فرمائی کہ اپنے گناہوں کو پھیلاتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عمر چپ رہو دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے ہلکی ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یا اللہ اس کو سچائی اور کامل ایمان نصیب فرما۔ اور اس کے احوال

کو بہتر بنادے۔ ایک اور صاحب اٹھے انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بزدل ہوں، سونے کا مریض ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بھی دعا فرمائی۔ حضرت فضلؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے ہم دیکھتے تھے کہ ان کے برابر کوئی بھی بہادر نہ تھا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور اسی طرح عورتوں کے مجمع میں بھی اعلان فرمایا اور جو جو ارشادات مردوں کے مجمع میں فرمائے تھے یہاں بھی انکا اعادہ فرمایا۔

ایک صحابیہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی زبان سے عاجز ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بھی دعا فرمائی۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جس کسی کو اپنی کسی حالت کا اندیشہ ہو وہ بھی دعا کرالے (کہ اب روانگی کا وقت ہے) چنانچہ لوگوں نے اپنے متعلق مختلف دعائیں کرائیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا. (اسوۂ رسول اکرم)

ف: غور فرمائیے کہ یہ سید المعصومین اشرف المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے، جس کے اتباع کی یہ گنہگار امت کس قدر محتاج ہے۔ واللہ الموفق

حضرت ہارون علیہ السلام کا نہایت ادب سے اپنا عذر پیش کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر جانے لگے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنایا۔ اور بنی اسرائیل کی اصلاح کا امر اور مفسدین کی اتباع

سے منع فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ۔ (سورۂ اعراف رکوع ۱۷)

اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہہ دیا تھا کہ میرے بعد ان لوگوں کا انتظام رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بدنظم لوگوں کی رائے پر عمل مت کرنا۔

مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف واپس آئے تو ان کو بچھڑے کی پرستش کرتے ہوئے پایا تو غصہ ہوئے، اور تختیوں کو (جو اللہ کی طرف سے لائے تھے) ایک طرف ڈال دیا، اور اپنے ماں شریک بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ رہے تھے، تو انھوں نے عرض کیا کہ میرے بھائی بلاشبہ قوم نے مجھے کمزور اور ناتواں سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل ہی کر ڈالیں، لہذا مجھ پر میرے دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیجئے، اور مجھے ان ظالموں میں شمار نہ کریں۔ (اس لئے کہ میں ان کے اس کفر وشرک کے کام میں شریک نہیں ہوں۔) لہذا میرے ساتھ وہ برتاؤ نہ کیا جائے جو ان ظالموں کے ساتھ برتا جارہا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی خطا کا احساس فرمانا

حضرت ہارون علیہ السلام کے اظہار حقیقت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوا کہ بھائی ہارون کے سلسلہ میں مجھ سے خطا ہوئی (اگر چہ

خطا اجتہادی تھی) لہذا اللہ کی بارگاہ میں عرض پرداز ہوئے کہ اے میرے رب میری مغفرت فرما دیجئے اور میرے بھائی کی، اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے، اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔
چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ.
(سورۂ اعراف رکوع ۱۹)

کہا کہ اے میرے رب میری خطا معاف فرما دے اور میرے بھائی کی بھی، اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمائیے، اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام گاؤ پرستی کو دیکھ کر دینی حمیت کے جوش میں اپنے بھائی سے داروگیر فرماتے ہوئے ان کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ لئے تھے، مگر جب ان کی معذوری ومجبوری سنی تو اپنی خطا کا احساس ہوا تو اپنے لئے اور اپنے بھائی کے لئے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرنے لگے، جو ان کی معافی مانگنے کے قائم مقام تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی بڑے سے اپنے چھوٹے پر بھی زیادتی ہو جائے تو اس کی تلافی کی فکر کرنی چاہئے۔ اولاً تو صاحب حق سے صاف لفظوں میں معافی مانگ لی جائے تو بہتر ہے، اور اگر یہ صورت نہ بن سکے تو صاحب حق کے لئے عفو ومغفرت کی دعا کرنی چاہئے، کیونکہ صاحب حق کے لئے اس سے بڑھ کر کیا نعمت ہوگی۔

اور بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جس کے حق میں کسی بڑے سے قصور ہوتا ہے، وہ اس کے معافی مانگنے سے پہلے ہی اس کے قصور کو دل سے معاف کر دیتا ہے، بلکہ بہت سے باادب احباب واعزہ اور باوفا مریدین وتلامذہ ایسے بھی ہوتے ہیں، جو اپنے بڑوں کی زجر وتوبیخ کو عین محبت سمجھ کر گوارا کرتے ہیں، بلکہ اس کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں، تاہم بڑوں کو بھی بے موقع سخت باتیں نہ کرنی چاہئے، شریعت کا پاس ولحاظ سب کو ہونا چاہئے، اور اپنی خطا کا احساس ہونے پر اپنے چھوٹوں کو بھی راضی کرنے کی سعی کرنی چاہئے، خواہ کلمات دعائیہ ہی سے کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو راضی کرنے کے لئے ان کے لئے مغفرت وغیرہ کی دعا فرمائی۔
اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح دین وطریق پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

ف: ان آیات کے پڑھنے سے مزید ایک فائدہ یہ مستفاد ہوا کہ کسی منکر ومعصیت کو دیکھ کر اگر کوئی دینی حمیت کے جوش میں معصیت کے ارتکاب کرنے والوں کو سخت باتیں کہتا ہے تو روا ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ جیسے اصلاح کے لئے رفق ونرمی ضروری ہے ویسے ہی منکر کے ازالہ کے لئے بعض موقع پر عنف وسختی کا اختیار کرنا بھی لازم ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سختی سے گاؤ پرستی کی تردید اور اس کے کرنے والوں کو زجر وتوبیخ فرمائی جس کی وجہ سے گاؤ پرستی سے لوگوں نے توبہ کیا، اور یہ بلاء کافور ہوئی۔

ہاں یہ ضروری ہے کہ مصلح ومربی رفق ونرمی اور عنف وسختی کے مواقع کی کامل شناخت رکھتا ہو اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ بعض موقع پر عمل کرنے میں اشتباہ ہو جاتا

ہے کہ یہاں نرمی یا سختی کیا اختیار کرنا چاہئے، تو اس کے لئے رفق کا اختیار کرنا ہی متعین ہے۔ اس لئے کہ اس کے اختیار کرنے میں ضرر نہ ہوگا بخلاف نرمی کی جگہ سختی کرنے میں کہ اس کی وجہ سے ضرر کا شدید اندیشہ ہے۔ (مرتب)

(ماخوذ از احیاء العلوم للغزالیؒ)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حضرت عمرؓ سے معافی مانگنا

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان کوئی نزاع درپیش آیا۔ اثنائے گفتگو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کوئی سخت جملہ نکل گیا۔ لیکن خود ہی ندامت دامن گیر ہوئی اور نہایت اصرار کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عفو خواہ ہوئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انکار کیا تو ان کی پریشانی کی انتہاء نہ رہی۔ اسی وقت دامن اٹھائے اور آستانۂ نبوت پر حاضر ہوئے اور وجۂ پریشانی بیان کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تین بار بشارت سے طمانینت دی، ابوبکر اللہ تمہیں بخش دے گا، ابوبکر اللہ تمہیں بخش دے گا ابوبکر اللہ تمہیں بخش دے گا۔ اسی اثناء میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے انکار سے ندامت ہوئی، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر پر تلاش کرتے ہوئے دربار رسالت میں حاضر ہوئے، ان کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ تیور دیکھے تو دوزانو بیٹھ کر التجا کی۔ یارسول اللہ! اللہ کی قسم میں ہی ظالم تھا، میری ہی زیادتی تھی۔ اس طریقہ

سے گو غیظ وغضب کی طغیانی فرو ہوگئی تاہم ارشاد ہوا۔ میں مبعوث ہوا تو سب نے جھٹلایا، لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تصدیق کر کے جان و مال سے میری غمخواری کی۔ کیا تم مجھ سے میرے ساتھی کو چھڑا دو گے۔

(بخاری شریف، کتاب المناقب باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت متخذا خلیلا)

حضرت ابوبکرؓ کا حضرت سلمانؓ وغیرہ سے معافی مانگنا

حضرت ابو ھبیرہ عائذ بن عمرو المزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (اور وہ بیعت رضوان والوں میں سے ہیں) بیشک حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضرت سلمان و حضرت صہیب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم اجمعین کے پاس تشریف لائے۔ تو ان لوگوں نے کہا کہ اللہ کے دشمنوں سے اللہ کی تلواروں نے اپنا حق نہیں لیا۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا تم لوگ یہ بات قریش کے شیوخ اور سرداروں کے بارے میں کہہ رہے ہو۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان باتوں کی اطلاع دی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یقیناً آپ نے ان لوگوں کو ناراض کیا ہوگا۔ اگر آپ نے ان لوگوں کو ناراض کیا تو اپنے رب کو ناراض کیا۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس تشریف لائے، اور فرمایا اے بھائیو! میں نے تم لوگوں کو ناراض کر دیا۔ ان لوگوں نے کہا نہیں اے میرے بھائی، اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔ (رواہ مسلم، ریاض الصالحین ۱۱۰)

حضرت سیدنا عمرؓ کا ایک بوڑھے شخص سے معافی مانگنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ رات میں گشت لگا رہے تھے، ایک دروازے کے سوراخ سے جھانکا تو ایک بوڑھے کو دیکھا جس کے سامنے شراب تھی اور گانے والی لڑکیاں تھیں۔ پس یہ دونوں حضرات دیوار پھلانگ کر بڈھے کے پاس گئے اور فرمایا کہ تم جیسے بوڑھے کا اس حال پر ہونا کیا ہی برا ہے۔ تو وہ بوڑھا کھڑا ہوا اور کہا اے امیر المومنین آپ کو میں قسم دیتا ہوں کہ آپ میرے متعلق کوئی فیصلہ نہ فرمائیں یہاں تک کہ میں کلام کرلوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کہو کیا کہتے ہو؟ بوڑھے نے یہ کہا کہ اگر میں نے ایک امر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو آپ نے تین باتوں میں معصیت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ کون کون ہیں۔ اس نے کہا (پہلی بات یہ کہ) آپ نے تجسس کیا اور اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ”وَلَا تَجَسَّسُوْا“ (اور دوسری معصیت یہ کہ) آپ گھر کے پیچھے سے کود کر گھر میں آئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا“ گھروں میں ان کے دروازے سے آؤ۔ یعنی ان کے پیچھے سے نہ داخل ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے ”لَيْسَ الْبِرَّ بِاَنْ تَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا“ یعنی نیکی یہ نہیں ہے کہ گھروں میں ان کے پیچھے سے داخل ہو۔ (اور تیسری غلطی یہ کہ) بغیر اجازت کے آپ گھر میں تشریف لائے حالانکہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ”لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِهَا“ اپنے گھروں کے علاوہ گھروں میں داخل نہ ہو یہاں تک کہ اجازت لے لو اور اہل خانہ کو سلام کرلو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا۔ پس کیا تم مجھ کو معاف کردو گے؟ اس بوڑھے نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہر تشریف لائے، اس حال میں کہ آپ رو رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ ہلاکت ہے عمر کے لئے اگر اللہ تعالیٰ نے مغفرت نہ فرمائی۔

اپنے کو مخاطب کر کے فرماتے تھے کہ ”تم جانتے ہو کہ آدمی ایسی حالت کو اپنے اہل وعیال سے بھی چھپانا چاہتا ہے اور یہ اب کہے گا کہ مجھ کو امیر المومنین نے دیکھ لیا“۔

افادہ از حضرت مصلح الامت مولانا وصی اللہ صاحبؒ

اس واقعہ نے دلالت کیا کہ محتسب کو تجسس نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی دیوار پھلانگ کر گھر میں گھسنا چاہئے اور نہ بلا اذن کسی کے گھر میں داخل ہونا چاہئے۔

سبحان اللہ! کیا ہی عمدہ حکایت ہے اس کو لوگ بیان کرتے ہیں، آپ لوگوں نے بھی سنا ہوگا، مگر اخیر جزو یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول وتأثر کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ تعجب ہے کہ کیوں اس جزو کو چھوڑ دیا جاتا ہے، حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس واقعہ کی اصل اور روح یہی ہے۔ اس لئے کہ اس بوڑھے کی بات سے کہیں بڑھ کر کمال وکرامت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انکسار اور امتثال

ہے۔اوراس بوڑھے کواس حالت میں گرفتار کرنے کے باوجود بھی اس کی
باتوں کے سننے کے لئے توقف کرنا پھرسن کراس سے نہایت لجاجت سے
معافی کی درخواست کرنا یہ کوئی معمولی بات اور آسان کام نہیں ہے۔کیا آپ
کی عقل میں یہ بات آتی ہے کہ ایسا اب کوئی کرسکتا ہے؟ سچ ہے صحابہؓ کی
برابری کسی امر میں بعد والے نہیں کرسکتے۔دیکھتے نہیں ہیں کہ لڑکیاں بیٹھی
ہوئی ہیں شراب سامنے رکھی ہوئی ہے۔امیر المومنین یکا یک اس مقام پر پہنچ
رہے ہیں آدمی ایسے جرم میں گرفتار کہ جس کی تاویل نہیں ہوسکتی پھر بھی بوڑھے
نے ایسی آیات پیش کردیں کہ سب کچھ رکھا رکھایا رہ گیا۔نہ کوئی محتسب رہا اور
نہ کوئی مجرم۔سب دم بخود ہوگئے اور مجلس گریہ وزاری کی ہوگئی۔رنگ ہی بدل
گیا۔کہاں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بڈھے کے احتساب کے لئے گئے
تھے اور معاملہ برعکس یہ ہوا کہ بوڑھے ہی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر
احتساب کردیا۔اوراس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے معافی مانگی اور روتے ہوئے
باہر تشریف لائے کہ عمر ہلاک ہوگیا۔اور بار بار یہ فرماتے تھے کہ یہ افعال ایسے
ہیں کہ آدمی اپنے اہل وعیال سے چھپا کر کرتا ہے یعنی کوشش کرتا ہے کہ کسی گھر
والے کو بھی معلوم نہ ہومگر اب دل میں یہ کہے گا کہ مجھ کو امیر المومنین نے دیکھ
لیا۔اس سے اس کو کس قدر شرمندگی ہوگی۔ (رسالہ معرفت حق)

حضرت عمرؓ کا عام صحابہؓ سے معافی مانگنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے اسی اصول پر سختی سے عمل

کیا۔یعنی جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات سے بدلہ دلوایا
اور رعایا کو والیوں سے بدلہ دلوایا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا
اوراس میں پوری سختی برتی،کئی مرتبہ اپنی ذات سے بدلہ دلوایا۔جب ان سے
اس معاملہ کی سختی کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کو دیکھا کہ آپ نے دوسرے کا حق ادا کیا۔اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق
رضی اللہ عنہ نے دوسرے کا حق ادا کیا تو میں بھی دوسرے کا حق اپنی ذات سے
ادا کروں گا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس باب میں جتنی مستعدی دکھائی
اس کی ایک مثال یہ ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو سزاءً مارا تو وہ شخص بولا کہ میں
نے یہ قصور جہالت کی وجہ سے کیا تو اس پر تعلیم ملنی چاہئے تھی نہ کہ سزا،یا دانستہ
غلطی کی تو اس پر معافی ملنی چاہئے نہ کہ کوڑا۔تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً
بولے تم نے ٹھیک کہا ہے،لوآؤ مجھ سے بدلہ لے لو۔(یعنی مجھے مارلو۔)

(گلدستہ علم ونظر ص۱۷)

حضرت عمرؓ پر ایک بوڑھی عورت کی شکایت سنکر رقت طاری ہونا

ملکِ شام کے سفر میں ایک پُر عبرت واقعہ پیش آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ
دارالخلافۃ کو واپس آرہے تھے کہ ایک خیمہ دیکھا،سواری سے اتر کر خیمہ کے
قریب گئے۔ایک بڑھیا عورت نظر آئی،اس سے پوچھا کہ عمر کا کچھ حال معلوم
ہے؟اس نے کہا ہاں شام سے روانہ ہو چکا ہے،لیکن اللہ اس کو غارت کرے،
آج تک مجھ کو اس کے ہاں سے ایک حبہ بھی نہیں ملا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے کہا اتنی دور کا حال عمر کو کیوں کر معلوم ہوسکتا ہے۔ بولی کہ اس کو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سخت رقت ہوئی اور بے اختیار رو پڑے۔ (الفاروق ص۲۰۲)

ف: سبحان اللہ! یہ تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رقت کا حال۔ جب کہ دنیا ان کو سخت کہتی ہے، معلوم ہوا کہ ان کی سختی بھی اللہ کے لئے ہوا کرتی تھی، ہر مقام کا حکم الگ الگ ہوا کرتا ہے جس کی رعایت خلیفۂ رسول نہ کرے گا تو اور کون کرسکتا ہے۔ اللہ ان کی اقتداء کی ہم سب کو توفیق دے۔

نیز حضرت امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی احساس ذمہ داری تھی کہ شب میں خود بنفس نفیس امت کی خبر گیری و پاسبانی کے لئے گشت فرماتے تھے، اس اثناء میں اگر کوئی ناگوار و نامشروع امر ملاحظہ فرماتے تھے تو اس پر نکیر فرماتے تھے۔ اور اگر کسی کی پریشانی کا علم ہوتا تھا تو خود اس کی ہمدردی و غمخواری فرماتے تھے۔ جیسا کہ کتب تاریخ میں مذکور ہے۔ (مرتب)

حضور ﷺ کا حضرت عائشہؓ کو ان کے قصور پر آگاہ فرمانا

عن عائشة رضی الله عنها قالت قلت للنبی صلی الله علیه وسلم حسبک من صفية كذا تعنی قصيرة فقال لقد قلت كلمة لو مزج بهاالبحر لمزجته. (رواہ احمد والترمذی وابو داؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو کافی ہے صفیہ سے ایسا ایسا اور مراد لیا

انھوں نے ان کے پستہ قد ہونے کو۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یقیناً تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر سمندر میں اس کو ڈال دیا جائے تو وہ بھی خراب وفاسد ہوجائے۔

ف: اس حدیث پاک سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چہیتی بیوی سے نامناسب بات کو گوارا نہیں کیا، بلکہ ان پر نکیر فرمایا تاکہ اس کے بعد ایسی بات کا زبان سے صدور نہ ہو۔ (مرتب)

حضرت زینبؓ سے بھی ان کے قصور پر ناگواری کا اظہار فرمانا

عن عائشةؓ قالت اعتل بعير لصفية وعند زينب فضل ظهر فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لزينب اعطيها بعيرا فقالت انا اعطی تلک اليهودية فغضب رسول الله صلی الله علیه وسلم فهجرها ذاالحجة والمحرم وبعض صفر.

(ابو داؤد ص ۶۳۲)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیمار ہوگیا اور حضرت زینبؓ کے پاس ایک زائد اونٹ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے فرمایا کہ ایک اونٹ اس کو دیدو، تو حضرت زینبؓ نے فرمایا کہ میں اس یہودیہ کو دیدوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوئے، اور حضرت زینبؓ کو ذی الحجہ ومحرم اور صفر کا بعض حصہ چھوڑے رکھا۔

اخرج الامام احمد من حديث صفية ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حج بنسائه فلما كانوا فی الطريق برک جمل صفية بنت حيی فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لزينب بنت جحش (يازينب افقری اختک صفية جملا) وكانت من اكثرهن ظهرا فقالت انا افقر يهوديتک؟ فغضب النبی صلى الله عليه وسلم حين سمع ذالک منها فهجرها فلم يكلمها حتیٰ قدم مكة وايام منی فی سفره حتی رجع الی المدينة ،والمحرم وصفر فلم يأتيها ولم

امام احمدؒ نے حضرت صفیہؓ کی حدیث سے تخریج کی ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ حج فرمایا، پس جب آپ راستہ میں تھے کہ حضرت صفیہ بنت حییؓ کا اونٹ ہلاک ہوگیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے زینب! اپنی بہن صفیہ کو ایک اونٹ دیدو۔ جب کہ ان عورتوں میں سب سے زیادہ سواری ان کے پاس تھی، تو انھوں نے کہا کیا میں اس یہودیہ کو اونٹ دوں؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ کلمات سنے تو ناراض ہوئے۔ اوران سے علیحدگی اختیار فرمایا اور کلام نہیں فرمایا یہاں تک کہ مکہ آگئے اور منیٰ کے قیام کے زمانہ تک کلام نہیں فرمایا یہاں تک کہ آپ مدینہ واپس ہوئے۔ ماہ محرم وصفر میں ان کے پاس تشریف نہ لائے اور نہ ہی ان کے لئے باری

يقسم لها ويئست منه فلما كان شهر ربيع الاول دخل عليها. وهذا من الاثم العظيم، ان يوصف الانسان بالكفر بعد اسلامه ولذالک استحقت زينب عقوبة الهجر.

(من معين الشمائل ۸۳)

تقسیم کی، جس کی وجہ سے وہ آپ ﷺ سے مایوس ہوگئیں پس جب ربیع الاول کا مہینہ آیا تو آپ ان پر داخل ہوئے۔ اور یہ گناہ عظیم میں سے ہے کہ انسان اسلام لانے کے بعد کفر کے ساتھ موصوف کیا جائے۔ اوراسی وجہ سے حضرت زینبؓ جدائی کی سزا کی مستحق ہوئیں۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کی بھی اصلاح اخلاق کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم رعایت نہ فرماتے تھے، یہ بھی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ اللہ ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

حضرت فضیل بن عیاضؒ کے توبہ واستغفار کا واقعہ

حضرت فضیل بن عیاضؒ کے توبہ کا واقعہ تو مشہور ہی ہے، مگر انھوں نے توبہ کے بعد حقوق العباد کی ادائیگی کا جو اہتمام فرمایا تھا، وہ ہر مسلمان کے لئے قابل عمل ہے۔ اس لئے کہ توبہ سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔ بلکہ توبہ کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ حقوق العباد جو اس کے ذمہ واجب ہیں اسے ادا کرے یا صاحب حق سے معاف کرائے، تو اس کو فضیل بن عیاضؒ نے پوری طرح ادا فرمایا۔ جس کا ذکر مشہور بزرگ حضرت شاہ العالمین شاہ

عبدالرزاق جھنجھانویؒ نے اپنی کتاب ''صحائف معرفت'' میں فرمایا ہے۔جس کا ترجمہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے نہایت سلیس زبان میں فرمایا ہے، اسی سے ان کی توبہ کا حال نقل کرتا ہوں۔

روایت ہے کہ فضیل بن عیاضؒ ابتداء میں ڈاکہ زنی کرتے تھے۔لیکن جس سے کوئی چیز چھینتے تو اس کا نام مقام، اس کے باپ کا نام، واقعہ کی تاریخ اور اس شئی کے بارے میں دفتر میں لکھ لیتے۔جب اللہ تعالیٰ کا ان کے حال پر فضل ہوا اور ان کی توبہ کا وقت آیا، تو ایسا ہوا کہ انھوں نے ایک کارواں پر حملہ کیا۔تمام قافلہ والے جان کے خوف سے تتر بتر ہو گئے، اور فضیلؒ نے ان کی تمام املاک پر قبضہ کرلیا۔کہا جاتا ہے کہ اہل قافلہ میں ایک شخص قرآن پڑھ رہا تھا، جب وہ اس آیت پر پہنچا ''اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ'' (کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کے لئے کہ نرم ہو جائیں ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کی یاد کے واسطے)

توفضیلؒ نے پکار کر کہا وہ وقت آ گیا، اور تمام اہل قافلہ کو آواز دی کہ وہ آئیں اور اپنا مال لے جائیں۔لیکن وہ لوگ اس خیال سے نہ آئے کہ فضیلؒ ان کو اس بہانے سے بلا کر قتل نہ کر دیں۔پس انھوں نے الحاح وزاری شروع کی اور کہا اے مسلمانو! میں نے اس کام سے توبہ کر لی اور میں شرمندہ ہو گیا ہوں۔انھوں نے کہا اے فضیل اگر تم سچے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ۔اور ہمارا مال چھوڑ جاؤ، ہم خود اسے اٹھالیں گے۔فضیلؒ نے کہا بہت ممکن ہے کہ تم میں سے کسی کا مال ضائع ہو جائے اور قیامت کے دن اس کی ذمہ داری مجھ پر

آئے۔اس لئے میرے سامنے آؤ، اپنے اپنے مال کو پہچانو، اور جو چیز جس کی ہو وہ اسے پہچانے اور اٹھا کر لے جائے۔قافلہ والے فضیلؒ کی اس طرح یقین دہانی کے بعد آئے، اور اپنا اپنا سامان دیکھ کر اور پہچان کر اس پر قابض ہوگئے۔فضیلؒ نے ان سے معافی چاہی اور ان کو خوش کیا۔بعدازاں وہ گھر آئے اور اپنا معمول بنالیا کہ اپنے دفتر میں دیکھتے، جو چیز جس سے چھینی تھی وہ اسے واپس کرتے۔اسی طرح انھوں نے اپنے تمام دشمنوں اور مخالفوں کو اپنے سے خوش کرلیا، اور دنیا کے اموال میں سے کوئی چیز ان کے پاس باقی نہ رہی۔

ایک دن انھوں نے رجسٹر میں دیکھا تو انھیں پتہ چلا کہ ایک وقت نیشاپور کے ایک یہودی سے انھوں نے چالیس ہزار دینار چھینے تھے، ابھی تک اس کی یہ رقم نہیں لوٹائی گئی اور اسے خوش نہیں کیا گیا۔

حضرت فضیلؒ کا یہودی سے معافی مانگنا

اس یہودی کے پاس آکر آپ نے کہا کہ میں فضیل ہوں، اتنے سال پہلے فلاں مقام پر میں نے چالیس ہزار دینار تجھ سے چھینے تھے۔اب میں نے ڈاکہ زنی سے توبہ کر لی ہے اور جس کا جو مال ومتاع میرے پاس تھا وہ میں نے اسے لوٹا دیا ہے، لیکن تجھے لوٹانے کے لئے میرے پاس کچھ بھی باقی نہیں ہے۔میں تیرے پاس آیا ہوں اور تجھ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اب تو جو چاہے میرے بارے میں فیصلہ کر لے۔خواہ مجھ سے اس کے بدلے میں مزدوری کرالے خواہ معاف کردے۔یہودی نے کہا میرا حق مجھے دے تاکہ میں تجھ

سے خوش ہو جاؤں۔

فضیلؒ یہودی کے ملازم ہو گئے، اور اس کی خدمت کرنے لگے۔ یہودی نے توریٰت میں کہیں پڑھا تھا کہ امت محمدیہ میں سے جو شخص صدق دل سے توبہ کرلے گا وہ اگر خاک میں ہاتھ ڈالے گا تو وہ سونا ہو جائے گی۔ اس نے سوچا کہ اب موقع ہے اس کا امتحان کیوں نہ کرلیا جائے۔ یہودی اپنے گھر میں گیا اور ہمیانی کو مٹی سے پر کیا اور ایک طاق میں رکھ کر باہر آیا، فضیلؒ سے بولا، میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا۔ لیکن ایک کام کر، میرے گھر میں جا، فلاں طاق میں میری ایک ہمیانی رکھی ہوئی ہے اسے اٹھالا، تا کہ میں تجھ سے خوش ہو جاؤں۔ فضیلؒ نے اس کے گھر میں جا کر اس طاق سے وہ ہمیانی اٹھائی اور یہودی کے سامنے ڈال دی۔ قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ جتنی اشرفیاں یہودی سے کبھی انھوں نے چھینی تھیں اتنی ہی اشرفیاں یہودی کو اس میں سے مل گئیں۔

یہودی کے دل پر اس بات کا گہرا اثر ہوا۔ اس نے کہا کہ تو نے میرے کفر کے تانبہ کو ایمان کے زر خالص سے بدل دیا، اب تو مجھے اسلام کی دعوت دے، بیشک تمہارا دین سچا ہے۔ اسی وقت وہ یہودی ستر دوسرے آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔ یہ مثنوی اس کے حسب حال کہی گئی ہے ؎

گر رخِ تو زگریہ تر گردد   خاک اندر کف تو زر گردد

یعنی اگر تیرا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو جائے، تو مٹی بھی تیری مٹھی میں سونا ہو جائے۔ (صحائف معرفت ص۱۷۶)

حضرت سید احمد رفاعیؒ کا معافی مانگنا

ایک مرتبہ فقیروں کا ایک گروہ ان سے ملا۔ اس نے ان کو گالیاں دیں اور ان سے کہا او کانے دجال! اے وہ شخص جو محرمات کو حلال کرتا ہے، اے وہ شخص جو قرآن کو بدلتا ہے۔ اور اے ملحد! اور اے کتے! یہ سن کر سید احمدؒ نے ننگے سر ہو کر زمین کو بوسہ دیا اور کہا کہ اے میرے سردارو! اپنے غلام کو معاف کر دو۔ اور ان کے ہاتھ و پاؤں کو بوسہ دینے لگے، اور کہنے لگے کہ مجھ سے راضی ہو جاؤ، تمہارے حلم میں میری گنجائش ہے۔ پس جب ان کو عاجز کر دیا تو انھوں نے کہا کہ ہم نے کبھی بھی تجھ جیسا فقیر نہیں دیکھا تھا کہ ہماری یہ سب باتیں تم برداشت کر رہے ہو اور غصہ نہیں ہوتے۔ تو انھوں نے فرمایا کہ یہ بھی آپ ہی حضرات کی برکت و فیض ہے۔ اس کے بعد اپنے دوستوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور کہا یہ بہت ہی اچھا ہوا کہ ہم نے ان کو ایسے کلام سے راحت دی جو ان کے باطن میں پوشیدہ تھا، یعنی انھوں نے ہمیں پر اپنے دل کی بھڑاس نکال لی اور سچ تو یہ ہے کہ ہم ہی بنسبت اوروں کے زیادہ مستحق تھے، کیونکہ ممکن تھا کہ کسی اور سے ایسا کلام کرتے اور وہ برداشت نہ کر پاتا۔ (تو بات اور بڑھتی اور فساد برپا ہوتا)۔

آپ فرماتے تھے کہ سینہ کی صفائی اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ اس میں کینہ کپٹ بالکل باقی نہ رہ جائے نہ دشمن سے اور نہ دوست سے اور نہ اللہ کی کسی بھی مخلوق سے۔ اور جب ایسی حالت ہو جائے گی تو وحشی جانور اپنے

جنگلوں میں اور پرندے اپنے گھونسلوں میں تم سے مانوس ہو جائیں گے اور حاء
ومیم کا راز تم پر منکشف ہو جائے گا۔ (اقوال سلف ص ۱۴۷ ج ۲)

ف: سبحان اللہ یہ تھا ہمارے اکابر کا حلم وتقویٰ، جس کی اپنے متعلقین کو تعلیم
فرماتے تھے۔ وکفیٰ لنا قُدْوَہ (مرتب)

حضرت تیناتیؒ کا اعتراف قصور

ان کے ہاتھ کاٹے جانے کا واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ
عہد کیا تھا کہ زمین سے اگنے والی چیزوں میں کسی کی طرف شہوت وخواہش
سے اپنے ہاتھ کو نہ بڑھاؤں گا۔ مگر اس عہد کو بھول گئے اور ایک جنگلی درخت
سے چند خوشوں کو اپنے ہاتھ سے لیا اور ابھی منہ میں رکھ کر چبا ہی رہے تھے کہ
اچانک وہ عہد یاد آ گیا اور خوشوں کو جو ہاتھ میں تھے ان کو پھینک دیا، اور جو منہ
میں باقی تھا اس کو تھوک دیا، اور نادم ہو کر بیٹھ گئے، خود بیان فرماتے تھے کہ ابھی
باطمینان بیٹھنا بھی نصیب نہ ہوا تھا کہ مجھ کو چند سوار و پیدل لوگوں نے گھیر لیا
اور کہا کہ کھڑے ہو۔ بس مجھ کو لے کر چلے یہاں تک کہ بحر اسکندریہ کے
ساحل تک لے گئے۔ بس وہاں میں نے ایک امیر کو دیکھا جس کے سامنے
چند حبشی موجود ہیں جنھوں نے رہزنی کی تھی، تو مجھ کو بھی ان لوگوں نے سیاہ
رنگ کا پایا اور اتفاق سے میرے ساتھ ڈھال، نیزہ اور تلوار بھی تھی۔ لہذا ان
سب نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ یقیناً یہ بھی انھیں ڈاکوؤں میں سے ایک
ہے۔ پس ان کے ہاتھوں اور پیروں کو کاٹ ڈالا، یہاں تک کہ نوبت مجھ تک

آئی۔ اور مجھ سے کہا کہ اپنے ہاتھ بڑھاؤ تو میں نے اپنے ہاتھ کو بڑھا دیا، پس
اس کو کاٹ دیا۔ پھر اس نے کہا کہ اپنے پیر کو بڑھاؤ تو میں نے اس کو بھی بڑھا
دیا۔ مگر میں نے اپنے سر کو اٹھایا اور کہا، اے میرے اللہ! اور اے میرے
سید و مولیٰ! میرے ہاتھ نے تو قصور کیا تھا مگر پیر نے کیا قصور کیا ہے؟ پس
اچانک ایک سوار داخل ہوا اور اپنے کو امیر کے اوپر ڈال دیا اور کہا کہ یہ صالح
آدمی ہے۔ اور ابوالخیر تیناتی کے نام سے معروف و مشہور ہے۔ پس امیر نے
اپنے کو زمین میں ڈال دی، اور میرے کٹے ہوئے ہاتھ کو لے کر چومنے لگا، اور
مجھ کو پکڑ کر رونے لگا، اور معافی مانگنے لگا، تو میں نے کہا کہ جب تم نے ہاتھ کاٹا
اسی وقت تم کو معاف کر دیا اور میں نے دل میں کہا "ید جنت فقطعت"، یعنی
ایک ہاتھ تھا جس نے جرم کیا تھا اس لئے وہ کاٹ دیا گیا۔

(طبقات کبریٰ ص ۹۴۔ اقوال سلف ص ۸۵ ج ۲)

ف: مگر افسوس کہ ہمیں معلوم نہیں کہ کتنے ظاہری و باطنی جرم کرتے ہیں مگر
اس کا احساس تک نہیں ہوتا کہ معافی تلافی کا اہتمام کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب
کو اس کی توفیق دے اور اپنی ناراضی اور سزا سے محفوظ رکھے۔ آمین

حضرت ذوالنون مصریؒ کا اعتراف ذنوب

ایک سال مصر کے دریا نیل میں پانی نہیں تھا، جس کی وجہ سے قحط کے
آثار ظاہر ہوئے، کچھ لوگ کہسار کی طرف بارش طلب کرنے کے لئے نکلے،
بہت روئے دھوئے مگر آسمان کو ان کے حال زار پر رونا نہیں آیا، یعنی بارش

نہیں ہوئی۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کو بھی مخلوق کی اس پریشانی کی اطلاع کی
گئی اور عرض کیا گیا کہ آپ بھی اللہ تعالیٰ سے دعا فرمادیجئے، آپ مقبول خدا
ہیں اور مقبولین کی دعا رد نہیں ہوتی۔ شیخ لکھتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ یہ سن کر
حضرت ذوالنون مصریؒ مدین کی طرف روانہ ہوگئے۔ چنانچہ ان کا شہر مصر سے
نکلنا تھا کہ بارش شروع ہوگئی اور انہیں مدین پہنچ کر اس کی اطلاع ہوئی کہ
بارش ہوچکی ہے اور دریا پانی سے لبریز ہوگیا۔ کسی عارف نے ان سے تنہائی
میں پوچھا کہ آپ کے مصر سے چلے جانے میں کیا راز تھا؟ فرمایا کہ میں نے
سنا تھا کہ قحط جو ہوتا ہے وہ برے لوگوں کے افعال بد کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور
میں نے جہاں تک غور کیا تو اپنے سے زیادہ کسی کو اس بستی میں گنہگار نہ پایا۔
اس لئے میں ہی وہاں سے چلا گیا کہ خواہ مخواہ میری نحوست کا خمیازہ یہ لوگ
کیوں بھگتیں۔ (بوستاں)

ف: سبحان اللہ! کیسا عمل تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد **انا المقر المعترف بذنبی** پر۔ اور یقیناً اسی اتباع سنت کی برکت سے بارش
بھی ہوگئی۔ انھوں نے شہر سے باہر نکل کر گویا اعتراف واستغفار کا عملی ثبوت
دیا۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے بحر بخشائش میں جوش آ گیا۔ سبحان اللہ یہ
حال تھا ان کی تواضع وفنا کا کہ اپنے سے بڑھ کر وہ پورے مصر میں کسی کو گنہگار
ہی نہ سمجھتے تھے، اور یہ ان کو یقین تھا کہ ہماری ہی معصیت کی نحوست کی وجہ
سے بارش رکی ہوئی ہے۔ مگر خلق اللہ میں ایسی عزت تھی کہ بادشاہ وقت نے یہ
کہا کہ جس مجلس میں اولیاء اللہ کا ذکر کیا جائے اور حضرت ذوالنون مصریؒ کا

ذکر نہ کیا جائے تو یہ بڑے ظلم کی بات ہے۔

اس سے اس حدیث کی تصدیق ہوتی ہے کہ **من تواضع للہ فقد رفعہ اللہ**۔ (یعنی جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کو رفعت عطا
فرماتے ہیں) اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ارشاد پر عمل کی توفیق دیں اور حقیقی
تواضع وکامل فنا سے نوازیں۔ (مرتب)

فاحشہ عورتوں کا اعتراف ذنوب

اسی طرح کا ایک واقعہ اور ہے کہ کہیں خشک سالی تھی لوگوں نے بہت
دعائیں کیں مگر بارش نہیں ہوئی، تو شہر کی فاحشہ عورتوں نے جمع ہوکر کہا کہ
سب سے زیادہ گنہگار ہم لوگ ہیں، جس کی وجہ سے بارش نہیں ہورہی ہے، اگر
ہم لوگ توبہ کرلیں تو بارش ہوجائے گی۔ چنانچہ وہ چٹیل میدان گئیں اور ہر
چہار جانب سے پردے کا انتظام کرایا، اور اس میں گریہ وزاری کے ساتھ اپنے
گناہوں کا اعتراف اور صدق دل سے توبہ واستغفار کیا تو بارش ہوگئی۔

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا اعتراف قصور

حضرت خواجہؒ غلطی (قصور) کے اعتراف اور اپنے کو خطاکار سمجھنے میں کوئی
تأمل نہ کرتے تھے، اور اپنے اصحاب ہی سے نہیں بلکہ عوام سے بھی اپنے کو
ممتاز نہیں سمجھتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کے پڑوس میں رہنے والا ایک نوجوان ہر قسم کی
برائیوں کا ارتکاب کرتا تھا، مگر باخبر ہونے کے باوجود آپ اسے برداشت

کرتے رہے، کسی موقع پر ان کے مرید خواجہ حسام الدین دہلویؒ نے حکام سے اس کی شکایت کی، اورانہوں نے اسے پکڑ کر بند کردیا۔ جب شیخ کو معلوم ہوا تو وہ اپنے مرید پر ناراض ہوئے، اوران سے باز پرس کی، انہوں نے عرض کیا حضرت وہ بڑا ہی فاسق ہے۔ اس پر آپ نے ایک آہِ سرد بھری، اور فرمایا جی ہاں! آپ لوگ اہل صلاح وتقوی تھے، اس لئے آپ نے اس کا فسق وفجور محسوس کرلیا، مگر ہم تو اپنے کو اس سے بہتر نہیں سمجھتے، اس لئے اپنی ذات کو چھوڑ کر حکام تک اس کی شکایت نہیں لے گئے، پھر آپ کی کوشش سے حکام نے اسے رہا کیا، اور وہ تائب ہو کر اہل صلاح میں سے ہوگیا۔

جب آپ کے کسی مرید سے کوئی غلطی ہوتی تو اس کے بارے میں فرماتے کہ یہ میری ہی غلطی تھی، جو بالواسطہ اس سے ظاہر ہوئی۔

(تاریخ دعوت وعزیمت ص:۱۴۶ ج۴)

علامہ ابن الجوزیؒ کا اعتراف ذنوب وقصور

خود اپنا واقعہ اپنی مشہور کتاب ''صید الخاطر''[1] میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

مجھے ایک مرتبہ ایسا معاملہ پیش آیا، جس میں اللہ تعالیٰ سے مانگنے اور دعا کی ضرورت تھی، میں نے دعا کی، اور اللہ سے سوال کیا، ایک صاحبِ صلاح

[1] صید الخاطر کے متعلق حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ یوں تحریر فرماتے ہیں، صید الخاطر ایک کشکول ہے جس میں مصنف نے اپنے قلبی تأثرات، بے تکلف خیالات، زندگی کے تجربات اور منتشر افکار وحوادث قلمبند کئے ہیں اور اپنی بہت سی کمزوریوں اور غلطیوں کا بے تکلف اعتراف کیا ہے۔

اور اہلِ خیر بھی میرے ساتھ دعا میں شریک ہوگئے، میں نے قبولیت کے کچھ آثار دیکھے، میرے نفس نے کہا کہ یہ اس بزرگ کی دعا کا نتیجہ ہے، تمہاری دعا کا نتیجہ نہیں، میں نے کہا کہ مجھے اپنے ایسے گناہوں اور کوتاہیوں کا علم ہے جن کی وجہ سے واقعی مجھے اس کا حق نہیں کہ میری دعا قبول ہو، لیکن کیا تعجب ہے کہ میری ہی دعا قبول ہوئی ہو، اس لئے کہ یہ مرد صالح ان گناہوں اور تقصیرات سے محفوظ ہے، جن کا مجھے اپنے متعلق علم ہے، لیکن مجھ میں اور اس میں ایک فرق ہے، مجھے اپنی تقصیر کی بنا پر دل شکستگی اور ندامت ہے، اور اس کو اپنے معاملہ پر فرحت وسرور ہے، اور کبھی اعتراف تقصیر ایسی ضرورتوں کے موقع پر زیادہ کارآمد اور مؤثر ہوتا ہے، اور ایک بات میں ہم اور وہ مساوی ہیں، وہ یہ کہ ہم دونوں میں سے کوئی اپنے اعمال کی بنا پر فضل کا طالب نہیں، تو اگر میں ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ ندامت سے گردن جھکا کر اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہوں کہ خدایا مجھے محض اپنے فضل سے عطا فرما، میں بالکل خالی ہاتھ ہوں تو مجھے امید ہے کہ میری سن لی جائے گی، اور ممکن ہے کہ اس کی نظر اپنے حسن عمل پر پڑے، اور یہ اس کے لئے روک بن جائے تو اے میرے نفس میرا دل زیادہ نہ توڑ وہ پہلے ہی بہت ٹوٹا ہوا ہے، مجھے اپنے حالات کا ایسا علم ہے، جس کا تقاضا ادب اور تواضع ہے، پھر اپنی تقصیروں کا اقرار ہے، جس چیز کا میں نے سوال کیا ہے، اس کا بے حد محتاج ہوں، اور جس سے سوال کیا ہوں اس کے فضل کا یقین ہے، اور یہ سب باتیں اس عابد کو حاصل نہیں تو اللہ اس کی عبادت میں برکت کرے، میرا تو اعتراف تقصیر ہی

بڑے کام کی چیز ہے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ج ا ص ۲۴۳)

ف: معلوم ہوا جیسے ہم لوگ دنیوی امور میں غوروفکر کرتے ہیں، اسی طرح یہ حضرات اکابر اپنے دینی وباطنی حالات میں غوروفکر کرتے رہتے ہیں جو ہم سب کے لئے بھی ضروری ہے اس لئے کہ یہ ہمارے لئے بہت ہی مفید اور ترقی کا زینہ ہے۔ (مرتب)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ایک بوڑھیا سے معافی مانگنا

حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحبؒ سے بارہا یہ واقعہ سنا ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ نے ایک بوڑھیا کے معمولی ہدیہ کو کسی وجہ سے قبول نہ فرمایا، وہ بیچاری ہدیہ نہایت رنج وغم کے ساتھ واپس لے گئی، اس کے بعد یہ ہوا کہ شاہ صاحبؒ پر ہدایا وتحائف کے فتوحات بند ہوگئے، کئی دن کے بعد خیال ہوا آخر کیا بات ہے کہ بالکل فتوحات سے محرومی ہوگئی۔ اس پر غوروفکر کرنے لگے۔ آخر چند دنوں کے بعد یہ بات ذہن میں آئی کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بوڑھیا کے ہدیہ کو واپس کیا ہے اس کی وجہ سے ہم کو یہ سزا مل گئی اور فوراً رات ہی میں اس بوڑھیا کی خدمت میں تشریف لے گئے اور کنڈی کھٹکھٹائی تو وہ بوڑھیا بولی۔ تو انھوں نے کہا عبدالقادر۔ اور یہ عرض کیا کہ اماں وہ ہدیہ جس کو میں نے واپس کیا تھا اس کو مجھے دیدیں۔ تو بوڑھیا نے ان کو ہدیہ دے کر کہا کہ حضرت اس کو جب سے آپ نے واپس کیا ہے اس وقت سے میں بے قرار ہوں مجھے کسی وقت چین نہیں ہے اور اس وقت سے اپنی کم نصیبی پر

رورہی ہوں۔ شاہ صاحب اس سے متأثر ہوئے اور معافی تلافی کرکے واپس ہوئے۔

ف: سبحان اللہ کتنا عبرتناک واقعہ ہے کہ ایک بوڑھیا کی دل شکنی کی وجہ سے شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے فتوحات بند ہوگئے، اب اگر کوئی صاحب نسبت شخص کو رنج وغم پہنچائے اور اس کے دل کو شکستہ ورنجیدہ کرے تو اس کا کیا حشر ہوگا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ (مرتب)

حضرت سید احمد شہیدؒ کا اعتراف قصور

حضرت سید احمد شہیدؒ کے باورچی خانہ کے داروغہ میاں عبدالقیوم صاحب تھے، اور عبداللہ بہرے مولانا صاحب کی جماعت والے بھی باورچی خانے کے کاروبار میں شریک تھے، اور قادر بخش خان کنج پورے والے حضرت کا کھانا پکایا کرتے تھے اور کھانا پکانے کے فن میں وہ بڑے استاد تھے۔ ایک روز وہ گوشت پکارہے تھے اور گوشت میں پانی کم تھا، اس عرصے میں مغرب کی اذان ہوئی، انھوں نے حاجی عبداللہ صاحب سے کہا کہ تم گوشت کی خبر لیتے رہو، میں نماز کو جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ نماز کو گئے۔ حاجی عبداللہ نے گوشت کے نیچے سے آگ کھینچ کر الگ کردی اور آپ بھی جاکر جماعت میں شامل ہوگئے۔ بعد فراغ نماز قادر بخش آئے اور گوشت دیکھا تو اس میں داغ لگ گیا تھا۔ انھوں نے جو داغی بوٹیاں معلوم کیں وہ نکال ڈالیں اور جو بوٹیاں باقی رہیں ان میں شوربے کے واسطے پانی ڈال دیا گیا۔ پھر بھی ان میں جلنے کی بو

باقی رہی۔ پھر جب کھانا تیار ہوا، تب حضرت سید صاحبؒ کے پاس لے
گئے۔ آپ نے اس کو چکھ کر قادر بخش خاں سے پوچھا کہ تم نے آج یہ کھانا کیسا
پکایا ہے کہ داغ کھا گیا؟ انھوں نے اپنا عذر بیان کیا کہ میں حاجی عبداللہ کو
گوشت سپرد کر کے نماز کو آیا اور وہ میرے پیچھے نماز کو چلے آئے، اس سبب
سے گوشت میں داغ لگ گیا۔ یہ بات سن کر بے ساختہ عادت شریف کے
خلاف آپ کی زبان سے نکل گیا کہ تم اس کو گوشت سپرد کر کے نماز کو گئے، اس
مردود نے خبر نہ لی، گوشت جل گیا اور کھانے کے قابل نہ رہا۔

حضرت سید صاحبؒ کے مریدین کا مشورہ

خلاف عادت آپ کی زبان سے یہ سخت کلام سن کر جو لوگ اس وقت
وہاں حاضر تھے سب خاموش ہو رہے کسی نے کچھ دم نہ مارا۔ پھر آپ نے
گوشت کی رکابی اٹھا کر قادر بخش خاں کے حوالے کی اور روٹی دال کے ساتھ
کھائی۔ پھر جب آپ کھانا کھا کر اور نماز عشاء پڑھ کر فارغ ہوئے اور معمول
کے موافق بیٹھے، اس وقت قاضی علاء الدین اور میاں جی چشتی اور مولوی
وارث علی اور مولوی امام الدین اور حافظ صابر صاحب وغیرہم نے آپس میں کہا
آج اس وقت 'مردود' کا لفظ خلاف عادت زبان شریف سے نکلا ہے، ایسا سخت
کلام کہنا آپ کی شان سے بعید ہے، اس کی اطلاع آپ کو ضرور کرنی چاہئے۔
آپ نے بارہا ہم لوگوں سے فرمایا بھی ہے کہ میں بھی بشر ہوں اگر کسی
وقت کچھ بیجا کلام شریعت کے خلاف میری زبان سے صادر ہو تو مجھ کو ضرور

اطلاع کرو، اور جو نہ کرو گے تو قیامت کے روز تمہارا دامنگیر ہوں گا۔ سو اس
بات کی اطلاع کرنی ہم پر واجب ہے کہ ہم اپنی طرف سے بری الذمہ ہو
جائیں۔ اس بات پر سب متفق ہو کر سب آپ کے پاس دستور کے موافق
آئے اور بیٹھے۔

مریدین کا سید صاحب کو ان کے قصور پر متنبہ کرنا

پھر مولوی امام الدین صاحب بنگالی اور میاں جی چشتی صاحب برہانویؒ
نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ سب بھائی لوگ جو حاضر ہیں کہتے ہیں کہ
آج آپ نے گوشت کے جل جانے پر حاجی عبداللہ کو مردود کہا یہ کلام کسی
مسلمان کو کہنا کیسا ہے؟ آپ نے ان کا یہ سوال سن کر دیر تک سکوت فرمایا۔ اور
کہا کہ یہ بات کسی مسلمان کو نہیں کہنا چاہئے۔

حضرت سید صاحبؒ کا برملا اپنے قصور کا اعتراف فرمانا

یہ کلمہ میری زبان سے بے اختیاری میں بے ساختہ نکل گیا اور بڑا قصور
ہوا۔ اور تم سب بھائیوں نے خوب کیا، جو اس قصور سے مجھ کو آگاہ کیا۔ پھر آپ
نے حاجی عبداللہ کو اور باورچی خانے کے سب لوگوں کو بلوایا اور ہر ایک جماعت
کے بہت لوگ اس وقت حاضر تھے، اور حاجی عبداللہ بہت سادہ مزاج سلیم الطبع
صالح آدمی تھے۔ حضرت نے ان کو اپنے پاس بیٹھا کر فرمایا کہ حاجی صاحب ہم
تمہارے قصور مند ہیں اس وقت غصہ میں بے اختیار ہماری زبان سے مردود

کا جو لفظ نکل گیا ہماری یہ خطا للہ معاف کرو، اور ہم سے مصافحہ کرو، وہ سنتے کم
تھے، اپنے جی میں ڈر گئے اور عذر کرنے لگے کہ حضرت آپ کا سالن مجھ سے
جل گیا میں بہت نادم ہوں، یہ میری خطا اب خدا کے واسطے معاف کردیں۔
آپ نے ان کے کان میں زور سے پکار کر کہا کہ تمہاری کچھ خطا نہیں ہے خطا ہم
سے ہوئی کہ مردود کا لفظ ہماری زبان سے نکل گیا تم ہم کو معاف کردو۔ یہ بات
سن کر انھوں نے حضرت کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ حضرت میں نے معاف کیا، آپ
میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت کرے اور آپ نے مصافحہ کیا۔

پھر آپ نے اسی مجلس میں سب کے سامنے بآواز بلند کہا کہ میں اپنی خطا
سے توبہ کرتا ہوں۔ اب ایسا بیجا کلام انشاء اللہ تعالیٰ میری زبان سے نہ نکلے گا۔
پھر بہت دیر تک وعظ کے طور پر فرماتے رہے کہ ہر مسلمان بھائی کو چاہئے کہ
اس قسم کے الفاظ مثلاً کافر، مشرک، منافق، مردود وغیرہ کسی مسلمان کے حق میں
اپنے منہ سے نہ نکالے اور ان لفظوں سے زبان کو روکے رہے، اور جو کبھی بے
اختیاری سے نکل جائے تو اس سے توبہ کرلے۔ ان لفظوں سے ایمان میں
نقصان آجاتا ہے۔ اور اسی طرح بہت دیر تک آپ نے منہیات شرعیہ کے
الفاظ بیان کئے اس طرح آپ کی زبان ہدایت بیان میں تاثیر تھی کہ یہ کلام
رشد التیام (ملا ہوا) سن کر تمام حاضرین مجلس پر ایک عجیب حال واقع ہوا کہ وہ
تحریر و تقریر میں نہیں آسکتا۔ بعد اس کے آپ نے دعا کی، پھر سب لوگ اپنے
اپنے ڈیرے میں گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ آج جو یہ لفظ حضرت کی زبان
سے واقع ہوا یہ بھی حکمت الٰہی سے خالی نہ تھا کہ اس کے ذیل میں آپ نے

منہیات شرعیہ کے اور بہت سے الفاظ بیان کر کے ہم سب کو خبردار کردیا۔ پھر
اس کے کئی دن کے بعد جب مولانا محمد اسماعیل صاحب موضع امب سے
تشریف لائے تب بعض لوگوں نے حضرت کے مردود کہنے اور توبہ کرنے کا وہ
حال آپ سے بیان کیا۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ کے ارشادات

آپ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کی زبان سے جو کسی وقت بشریت کے
بسبب کوئی کلام مکروہ شریعت کے خلاف نکل جاتا ہے اور وہ اس سے توبہ
کرتے ہیں تو حقیقت میں وہ کلام حکمت اور فائدے سے خالی نہیں ہوتا اور نہ
اس سے اس کا مرتبہ کم ہو جاتا ہے بلکہ ان کا درجہ اس کے بسبب بڑھ جاتا
ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کا گیہوں کھانا اور جنت سے نکالا جانا بظاہر
تو بے شک ان سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی اور انھوں نے اپنی خطا سے توبہ
کی اور اللہ تعالیٰ نے وہ خطا عفو فرمائی۔ مگر اس میں حکمت الٰہی یہ تھی کہ اس خطا
کے بسبب وہ جنت سے نکالے جائیں۔ اور ان سے انبیاء، اولیاء، مؤمن،
مسلمان سب پیدا ہوں۔ دنیا اور آخرت کے کارخانے جاری ہوں۔ اگر وہ
جنت سے نہ نکالے جاتے تو یہ کچھ بات نہ ہوتی۔ یا جیسے حضرت موسیٰ علیہ
السلام سے ایک قبطی کا خون ہوگیا اور وہ فرعون کے خوف سے مدین چلے گئے
اور اپنی خطا سے تائب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا معاف کی، اور وہاں
حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی سے ان کا نکاح کرادیا اور ایک

عصا عنایت کیا۔ پھر جب چند سال کے بعد اپنی بی بی کو لے کر وہاں سے مصر کو چلے اور کوہ طور کے قریب پہونچے، تب وہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو درجہ رسالت سے سرفراز فرمایا۔ اب خیال کرنا چاہئے کہ اس خطا میں اور وہاں سے بھاگنے میں اللہ تعالیٰ کی کیا کیا حکمتیں تھیں۔ اگر ان سے وہ خطا نہ ہوتی تو یہ فوائد کیونکر ظہور میں آتے۔ یا ان بزرگ لوگوں کا حال دریا کی مثال سمجھنا چاہئے کہ کبھی جب مینہ برستا ہے تو ہر طرف سے گندہ وناپاک سیلاب مع خس وخاشاک نالوں میں سے ہوکر دریا میں جاتا ہے اور دریا کو مکدر کر دیتا ہے کہ نافہم لوگ سمجھتے ہیں کہ دریا کا پانی ناپاک ونکما ہوگیا، طہارت کے قابل نہ رہا، حالانکہ وہ دریا بدستور پاکی میں رہتا ہے، بلکہ اس کا پانی بڑھ جاتا ہے اور رفتہ رفتہ کچھ عرصے میں وہ کدورت بھی زائل ہوجاتی ہے اور خلق اللہ کو اس سے نفع عام اور فائدہ تام ہوتا ہے اور اسی طرح سے کئی مثالیں دے کر سمجھایا۔ (سیرت سید احمد شہید)

ف: ماشاء اللہ کیا ہی خوب اعتراف قصور کا واقعہ ہے جو ہم سب کے لئے قابل اقتداء ہے۔ اور حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ نے جو حکمتیں بیان فرمائیں وہ علم وحکمت کا وسیع باب ہے جو نہایت جامع کلیہ اور بصیرت آموز مضمون ہے۔

غور فرمایئے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ جہاد للہ تعالیٰ کے عظیم المرتبت سفر میں تھے مگر ایک باورچی کی دل شکنی نہ حضرت سید صاحب کو گوارا ہوا اور نہ ان کے مخلص اصحاب واحباب کو، اس لئے ان تمام اصحاب قدسیہ کو اس اہم کار کا مقصد عالی اللہ کی رضا وخوشنودی پیش نظر تھا جس کے لئے یہ سفر مبارک ہو رہا تھا ساتھ ہی اللہ کی بے نیازی مستحضر تھی کہ اللہ کو ہماری محنت وجانفشانی کی ذرا

پرواہ نہیں۔ اگر ذرا بھی بے اصولی ہو رہی ہوگی مثلاً کسی ادنی سے ادنی شخص کی دلشکنی ودلآزاری ہوگی تو اللہ کو یہ قطعاً گوارا نہیں ہوگی۔

مگر افسوس کہ اب کسی دینی کام کے شروع کرتے ہی دوسروں پر طعن وتشنیع کی جانے لگتی ہے، بلکہ اکابرِ متقدمین کی تحقیر وتصغیر سے بھی باز نہیں آتے حالانکہ کسی نے کیا خوب نصیحت فرمائی ہے ؎

نام نیک رفتگاں ضائع مکن　　　تا کہ ماند نام نیکت برقرار

یعنی گزرے ہوئے لوگوں کو بدنام نہ کرو تاکہ تمہارا نیک نام برقرار رہے۔

غور کیجئے کہ فرائض نماز روزہ حج زکوۃ میں بھی ایسی چھوٹی اور بیہودہ باتوں سے روکا گیا ہے اور اس کے ہوتے ہوئے فرائض تک کالعدم قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ کتاب وسنت کے علم والوں پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے۔

پس اے لوگو! اپنے بزرگوں کے ان واقعات کو بغور اور بغرض عمل پڑھو، اور اپنے نفوس کی اصلاح کرو تاکہ اللہ کی رضا وخوشنودی سے مشرف ہو۔ اللہ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین (مرتب)

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کا اعتراف قصور

اب اعتراف قصور کا ایک واقعہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کا ملاحظہ کریں۔ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ بہت بڑے عالم تھے جنھوں نے عیسائیوں کے رد میں معرکۃ الآراء تصنیف ''اظہار الحق'' کے نام سے فرمائی جو علماء کے درمیان بلکہ عرب وعجم اور یورپ میں بھی معروف ومشہور ہے۔ آپ

ہی نے مکہ معظّمہ میں مدرسہ صولتیہ کو قائم فرمایا۔ جس سے کتاب وسنت کے علوم
کی خوب ہی خوب اشاعت وترویج ہوئی، بلکہ معلوم ہوا ہے کہ ابتداءً جامعہ
اسلامیہ مدینہ منورہ میں بہت سے اساتذہ یہیں کے پڑھے ہوئے تھے۔ جو
اب بھی الحمدللہ حنفی مسلک کا واحد مدرسہ ہے۔ جس کے ناظم اس وقت مکرم
مولانا حشیم صاحب مدظلہ العالی ہیں۔

انھیں مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کا واقعہ ہے جس کو مولانا شاہ وصی اللہ
صاحبؒ برابر بیان فرماتے تھے کہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ
ایک مرتبہ مدرسہ کی ضرورت واہمیت پر کسی مجلس میں بیان فرمارہے تھے۔ تو
حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے سن کر فرمایا کہ آپ کی چلے تو
مسجدوں کو منہدم کر کے سب کو مدرسہ بنوادیں۔ اس طرح باہم کچھ ناگواری کی
بات ہوگئی جس کی وجہ سے بات چیت بند ہوگئی۔ مگر چونکہ حدیث میں مومن کو
مومن سے تین دن سے زیادہ بات بند کرنے کی مذمت آئی ہے۔ اور جو بات
کرنے میں ابتداء کرے اس کی تعریف آئی ہے۔ اس لئے حضرت مولانا
رحمت اللہ صاحبؒ اس کے تحت حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ کی خدمت
میں گئے اور معافی مانگی۔ تو حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا آپ کی تو
جیت ہوگئی۔ چونکہ آپ صاحب علم تھے اس لئے آپ نے تین دن کے اندر ہی
اندر بات کرلی اور میں چونکہ عالم نہیں تھا اس لئے مجھے اس کی توفیق نہیں ہوئی۔

ف: سبحان اللہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ نے معافی مانگ کر کیسا
تواضع وانکسار کا ثبوت دیا اور حاجی صاحبؒ کی عالی ظرفی دیکھئے کہ معافی پر

سبقت کرنے پر مولاناؒ کی اعلیٰ درجہ کی تعریف فرمائی اور ان کے علم وفضل کا
اعتراف فرمایا۔ (مرتب)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ایک واقعہ

ایک بار حضرت رحمۃ اللہ علیہ سڑک سے بوقت صبح گذر رہے تھے،
سرکاری بھنگی سڑک پر جھاڑو لگا رہا تھا، ایک عالم اور مخصوص رفیق نے آگے
بڑھ کر مہتر سے کہا کہ بھائی ذرا سی دیر کو ملتوی کردو، تاکہ ہمارے حضرت گرد
سے بچ جاویں۔ حضرت والا نے سن لیا اور فرمایا کہ آپ کو کیا حق تھا کہ اس کے
سرکاری کام میں دخل دیں، وہ اپنی ملازمت کا حق ادا کررہا ہے، کیا آپ نے
مجھ کو فرعون سمجھ لیا ہے۔ (معرفت الٰہیہ مجموعہ افادات حضرت مولانا عبدالغنی صاحبؒ ص ۳۸۰)

اس کے بعد حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ بطور فائدہ کے یہ
تحریر فرماتے ہیں۔ ''اللہ اکبر، عجیب عبدیت کی شان تھی''۔

اس کے چند سطروں کے بعد حضرت مولانا تھانویؒ کا ایک دوسرا واقعہ بھی
نقل فرمایا ہے، وہ یہ ہے۔

''ہمارے ضلع کے ایک حاجی صاحب حضرت تھانویؒ کی خدمت میں
حاضر ہوئے، جمعہ کا دن تھا، حضرت اپنے کرتے پائجامہ میں تشریف لائے،
حاجی صاحب معمر آدمی تھے، بے تکلف تھے۔ عرض کیا کہ حضرت آپ نے عبا
نہیں پہنی، فرمایا عبا بڑوں کا لباس ہے، حاجی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت
آپ بھی تو بڑے ہیں، فرمایا کہ میں کیا بڑا ہوں، ابھی تو میرا ایک خلق بھی

درست نہیں ہوا۔ (معرفت الٰہیہ ص ۳۸۱)

ف: اللہ کی کبریائی جن کے سامنے ہوتی ہے وہ اپنے کو سراپا تقصیر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مستقل معافی نامہ ''العذر والنذر'' کے عنوان سے ارقام فرمایا ہے جسے نقل کرتا ہوں۔ (مرتب)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا معذرت نامہ

بعنوان ''العذر والنذر''

بعد الحمد والصلوٰۃ: باعث اس تحریر کا یہ ہے کہ راقم کی عمر اس وقت ساٹھ ستر برس کے تقریبی وسط میں ہے جو حدیث کی رو سے امت محمدیہ کی عمر کا باعتبار اکثر کے گویا اختتام ہے، اور ایسے وقت میں دوسرے اوقات سے بہت زیادہ تیاری آخرت کی ضرورت ہے، اور یہ تیاری بعد ایمان کے اعمال کی درستی ہے اوران اعمال میں سب سے زیادہ اہم حقوق العباد کے جمیع انواع کی صفائی ہے، اوراس صفائی کی صرف دوصورتیں ہیں۔ ایک ادا اور دوسرا طلب ابراء۔ الحمدللہ حقوق ادا میں تو عمداً کبھی کوتاہی نہیں کی گئی البتہ حقوق قابل ابراء میں طلب ابراء یعنی اہل حقوق سے معافی چاہنے میں یقیناً کوتاہی رہی۔ اور غالباً یہ ابتلاء قریب قریب بہت عام ہے۔ مگر اس میں عموم ابتلاء سے شرعاً رخصت نہیں ہوسکتی۔ اس لئے واجب ہوا کہ اس فریضہ کو اہتمام سے ادا کیا جاوے۔ جس کے دو طریق ہیں۔ ایک سب اہل حقوق سے فرداً فرداً خاص خطاب سے زبانی یا تحریری عرض معروض کرنا۔ دوسرے خطاب عام سے

معافی ومعذرت کی درخواست کرنا۔ اول بچند وجوہ دشواری سے خالی نہیں۔ (اول) اہل حقوق کا یاد نہ ہونا۔ (دوم) ان سب سے ملاقات نہ ہوسکنا یا انکا پتہ معلوم نہ ہونا۔ (سوم) ہر شخص کی ملاقات کے وقت اس کا استحضار۔ (چہارم) بعض عوارض کے سبب سفر سے معذور ہوجانا۔ (پنجم) ایسے اہتمام بلیغ سے ہمت کا قاصر ہونا۔ اسلئے دوسرا طریق جو سہل تھا اختیار کرکے اس کے متعلق مضمون ذیل شائع کرتا ہوں جس کا حاصل ان حضرات سے خطاب عام ہے جن کے حقوق مجھ سے عمداً یا خطاءً ضائع ہوئے ہیں، اوراس خطاب میں ترتیب وار چند اجزاء ہوں گے، اور چونکہ یہ خطاب میرے حق میں اوراس خطاب پرتوجہ فرمانا مخاطبین کے حق میں شرعاً مامور بہ ہیں اس لئے خطاب کے قبل چند احادیث کا ترجمہ جو اس باب سے متعلق ہیں نقل کرتا ہوں اس کے بعد وہ خطاب مرتباً پیش کروں گا۔ وباللہ التوفیق۔

احادیث کا ترجمہ

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے ذمہ کسی (مسلمان یا انسان) بھائی کا کچھ حق ہو اس کی آبرو کے متعلق یا اور کسی قسم کا وہ اس سے آج معاف کرالے ایسے وقت سے پہلے کہ نہ اس کے پاس دینار ہوگا نہ درہم ہوگا۔ اگر اس کے پاس کچھ عمل صالح ہوگا تو بقدر اس کے حق کے اس سے لے کر صاحب حق کو دیدیا جائے گا۔ اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو اس کے فریق کے گناہ لے کر اس

پرلا دیے جائیں گے۔ (رواہ البخاری مشکوٰۃ باب الظلم)

۲- حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص تھا جو لوگوں کو ادھار چیز دیدیتا تھا اور اپنے ملازم سے کہہ دیتا تھا کہ جب کسی تنگ دست کے پاس جاؤ تو اس کو معاف کر دیا کرو۔ شاید اللہ تعالیٰ ہم کو (اپنے حقوق) معاف فرمادے۔ جب وہ (مرکر) اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوا تو اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔

(رواہ البخاری ومسلم ،مشکوٰۃ باب الافلاس)

۳- حضرت جودان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے معذرت کرے اور وہ اس کو قبول نہ کرے اس پر ایسا گناہ ہوگا جیسا ظلم سے محصول لینے والے پر ہوتا ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے مراسیل میں اور ابن ماجہ نے دو جید اسنادوں سے اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص معذرت کرے اپنے بھائی سے اور وہ اس کو قبول نہ کرے وہ میرے پاس حوض کوثر پر نہ آنے پائے گا۔ (ترغیب وترہیب)

۴- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منجملہ کفارہ غیبت کے یہ بھی ہے کہ تم نے جس کی غیبت کی ہے اس کے لئے استغفار کیا کرو۔ (یعنی) اس طرح کہے کہ اے اللہ! ہماری اور اس شخص کی مغفرت فرما۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے دعوات کبیر میں اور کہا کہ اس کی اسناد میں کچھ ضعف ہے۔ (جو ایسے ابواب میں مضر نہیں) (مشکوٰۃ)

۵- حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کو حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین روز سے زیادہ قطع تعلق کردے۔ اس طرح سے کہ دونوں کا آمنا سامنا ہو جائے اور یہ اس سے منہ پھیرے اور وہ اس سے منہ پھیرے اور ان دونوں میں وہ اچھا ہے جو پہلے سلام کرے۔ روایت کیا اس کو بخاری ومسلم نے۔

(مشکوٰۃ باب ماینھی عنہ من التھاجر)

اجزاء خطاب ترتیب وار

حدیث اول کی بناء پر یہ احقر افقر اذل ارذل کام کا اکثف، نام کا اشرف تمام ان حضرات کی خدمت میں جن کا کوئی حق میرے ذمہ ہو خواہ وہ حق مالی ہو (جس کا احتمال ضعیف وقلیل ہے بجز ایک حق کے کہ بعض خطوط جواب کے لئے ٹکٹ آتے ہیں اور کاتب کا پورا پتہ نہیں ہوتا، انتظار کے بعد میں ان ٹکٹوں کو مصارف لقطہ میں صرف کر دیتا ہوں مگر نیت ہے کہ اگر ٹکٹ والے اس صرف کرنے کو جائز نہ رکھیں تو ٹکٹ مجھ سے لے لے، حاضر کروں گا۔ یا اس کے علاوہ کوئی اور حق ہو جو مجھ کو یاد نہ ہو اس کے ادا کرنے کے لئے بھی حاضر ہوں۔ اور ہر حال میں یہ شرط ہے کہ مدعی کا صدق میرے دل کو لگ جائے۔) اور خواہ وہ حق غیر مالی ہو جیسے کسی کو ناحق کچھ کہہ دیا ہو خواہ روبرو یا پس پشت اور خواہ ابتداءً ایسا ہوا ہو یا انتقام میں حد مساوات سے تجاوز ہو گیا ہو یا کسی کو ناحق بدنی ایذا پہنچائی ہو۔ (اور ایسے غیر مالی حقوق کا احتمال قوی اور کثیر ہے) ان

سب اہل حقوق کی خدمت میں دست بستہ نہایت لجاجت وسماجت سے
درخواست کرتا ہے کہ ان حقوق کا خواہ مجھ سے عوض لے لے بشرطیکہ مدعی کا
صدق میرے دل کو لگ جائے اور خواہ حسبۃً للہ معاف فرمادے۔ میں دونوں
حالتوں میں ان کا شکر گذار ہوں گا کہ مجھ کو محاسبۂ آخرت سے بری فرمایا، اور
معافی کی صورت میں دعا بھی کرتا رہوں گا کہ میرے ساتھ مزید احسان فرمایا۔

اور حدیث دوم کی بناء پر عفو خداوندی میں اپنے حقوق غیر مالیہ جو کسی کے
ذمہ ہوں بلا استثناء سب کو معاف کرتا ہوں (اور اس قسم کا اعلان اس کے قبل
بھی زمانہ تحریکات میں کر چکا ہوں) اور حقوق مالیہ میں غیر مستطیع کو اجازت
دیتا ہوں کہ مجھ سے خاص طور پر گفتگو کرے انشاء اللہ تعالیٰ کوئی سبب نکال
دوں گا۔ خواہ معافی خواہ تخفیف خواہ مہلت یا اور کچھ۔

اور حدیث سوم کی بناء پر جو حضرات باوجود میری لجاجت وسماجت کے
عذر قبول نہ فرماویں ان سے خیر خواہانہ عرض کرتا ہوں کہ معذرت کرنے پر
معاف نہ کرنے کی وعید کو اپنے اوپر لینا نہایت سخت خطرناک ہے چنانچہ ظلم
سے محصول لینے والے کا سا گناہ ہونا اور حوض کوثر سے محرومی کوئی معمولی بات
نہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس وعید کا مورد بننے سے محفوظ رکھے۔ علاوہ اس کے
آپ پر بھی تو بہت سے حقوق ہیں خلائق کے بھی خالق کے بھی اگر وہ معاف نہ
کئے جاویں تو کیا حشر ہو۔ اور خود اپنا حق معاف کر دینے سے آپ کے لئے
بھی معافی کی امید ہے جیسا حدیث دوم میں گذرا۔

اور حدیث چہارم کی بناء پر اس احتمال سے کہ شاید بعض حضرات نے

اپنے حقوق مجھ کو معاف نہ کئے ہوں گو وہ اس فعل سے محل وعید مذکورہ حدیث
سوم ہو گئے ہوں۔ مگر میں ان کے لئے اپنے ساتھ استغفار ہی کرتا رہوں گا
کیوں کہ اس کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرماوے اور اس
عمل کو میرے لئے کفارہ اور اہل حقوق کے لئے اس استغفار کو قبول فرمائے۔

عمدہ تحقیق: اور حدیث پنجم کی بناء پر اپنے لئے بھی اور اپنے ظالموں کے
لئے بھی اور اپنے مظلوموں کے لئے بھی مشترکاً مسئلہ کی تحقیق کرتا ہوں کہ کسی
کی خطا معاف کر دینے پر اور عذر قبول کر لینے پر یہ لازم نہیں کہ اس سے دوستی
وخصوصیت بھی رکھے۔ بعض اوقات اس پر قدرت نہیں ہوتی اور بعض اوقات
بعد تجربہ کے اس میں مصلحت نہیں ہوتی البتہ اتنا ضرور ہے کہ اگر اتفاق سے
ملاقات ہو جائے تو باہم سلام کر لے۔ اور اگر ایک کی طرف سے کوئی ضروری
بات چیت ہو تو دوسرا اس کا مناسب جواب دیدے گو مختصر ہی ہو۔ اور اگر
ضرورت سے زیادہ بات چیت کا سلسلہ ہونے لگے جس سے بے تکلفی پیدا
کرنے کا احتمال ہو تو نرمی سے عذر کر دے۔ اس حدیث کے حاشیہ پر لمعات
میں سیوطیؒ کے حاشیہ علی الموطا سے ایسا ہی مضمون نقل کیا ہے **بقوله ومن
خاف من مكالمة احد وصلته مايفسد عليه دينه ويدخل مضرة
فى دنياه يجوز له مجانبته والبعد عنه ورب هجر جميل خير من
مخالطة موذية .** اور جس سے دین کے سبب قطع تعلق کیا ہو وہ اس حدیث
سے مستثنیٰ ہے۔ حاشیہ مذکورہ میں اس کی بھی تصریح ہے۔ **من قوله المراد
حرمة الهجران الىٰ قوله واما ماكان من جهة الدين والمذهب**

فھجران اھل البدع والاھواء واجب الیٰ وقت ظھور التوبة.
خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے واسطے اہل حقوق میری حیات تک خواہ اپنے گذشتہ اور آئندہ حقوق معاف فرمادیں خواہ شرعی طریق اور شرائط پر اس کا عوض بالمثل لے لیں اور حیات کے بعد معاف ہی فرمادیں اسی مضمون کو مختصراً ایک رسالہ سے نظم میں عرض کرتا ہوں۔

کسی کو اگر میں نے مارا بھی ہو — بری بات کہہ کر پکارا بھی ہو
وہ آج آن کر مجھ سے لے انتقام — نہ رکھے قیامت کے دن پر یہ کام
کہ خجلت بروز قیامت نہ ہو — خدا پاس مجھ کو ندامت نہ ہو

وھذا کأنه ترجمة لخطابه صلی اللہ علیه وسلم العام قرب وفاته ونصه قال علیه السلام انه قددنا منی خقوف بین اظھرکم وانما انا بشر فایما رجل کنت اصبت من عرضه شیئًا فھذا عرضی فلیقتص وایمارجل کنت اصبت من بشره شیئًا فھذا بشری فلیقتص وایمارجل کنت اصبت من ماله شیئًا فھذا مالی فلیأخذ واعلموا ان اولاکم بی رجل کان له من ذالک شیءٌ فلیأخذه اوحللنی فلقیت ربی وانا محلل بی ولایقولن رجل انی اخاف العداوة والشحناء من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فانھما لیستا من طبیعتی ولامن خلقی ومن غلبة نفس علی شیءٍ فلیستعن لی حتیٰ ادعوله.(ابن سعد طب عن الفضل بن عباس)
اب آخر میں ناظرین سے دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قبل سفر

آخرت تمام حقوق ومظالم سے اداء یا ابراءً سے سبکدوش فرمادے۔اور آخرت میں ہر قسم کے مؤاخذہ سے محفوظ فرمادے۔ویرحم اللہ عبدًا قال آمینا.

کتبہ اشرف علی
لعشرین من رمضان ۱۳۴۴ھ
مقام تھانہ بھون ضلع مظفرنگر

بمبئی کی آخری مجلس میں حضرت مصلح الامتؒ کے معافی کا اعلان

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اخیر عمر میں زیادہ تر بمبئی میں قیام فرما ہوتے تھے اور وہیں سے شعبان المعظم ۱۳۸۷ھ میں بحری جہاز سے سفر حج کا ارادہ فرمایا۔لوگ جوق در جوق ملاقات کرنے کی غرض سے حاضر ہوتے رہے۔مجلسیں بھی ہوتی رہیں،آخر وہ دن آہی گیا۔جس کا واقعہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامیؒ یوں ارقام فرماتے ہیں۔

آج مجلس کا آخری دن تھا اس لئے کہ کل روانگی ہونی تھی،مجمع بہت زیادہ تھا۔باہر کے مہمان بھی کافی آچکے تھے اور اہل ممبئی بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔حضرت والا باہر آج بھی تشریف نہیں لائے۔راقم کے توسط سے اہل مجلس کو یہ پیغام کہلایا۔

فرمایا کہ کل شاید موقع گفتگو کا نہ ملے اس لئے آج ہی آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ مجھ کو آپ کے یہاں رہتے ہوئے بہت دن ہو گئے۔آپ لوگ بھی برابر تشریف لاتے رہے اور جب کوئی شخص کہیں رہتا سہتا ہے تو پھر ہر

ایک کے دوسرے پر کچھ حقوق ہو جاتے ہیں ۔اس لئے کہتا ہوں کہ ممکن ہے
کہ اس درمیان میں میری کوئی بات آپ کو ناگوار ہوئی ہو یا میرے کسی فعل
سے آپ لوگوں کو کچھ ایذا پہونچی ہو تو میں اس کی آپ لوگوں سے معافی چاہتا
ہوں ۔ میں نے کبھی کبھی کچھ سخت ضرور کہا ہے مگر اس کا منشأ محض اصلاح اور
آپ حضرات کی شفقت اور خیر خواہی تھی ۔ تاہم بر بناء بشریت اگر کسی
صاحب کو کچھ تکلیف پہونچی ہو تو مجھ کو معاف فرما دیں ۔

ف : سبحان اللہ اس سے واضح ہے کہ حضرت مصلح الامتؒ کو خوف آخرت کس
قدر دامنگیر تھا جو ہم سب کے لئے اسوہ حسنہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل
کی توفیق مرحمت فرمائے ۔ آمین (مرتب)

حضرت مصلح الامتؒ اور ان کے ایک مرید کا اعتراف قصور

اس کے علاوہ حضرت مصلح الامتؒ کا یہ واقعہ پیش نظر رکھنے کے لائق ہے
کہ ایک مخلص مرید سے کوئی معصیت صادر ہو گئی تھی جس کی وجہ سے انھوں
نے حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں آنا بند کر دیا تھا۔ حضرتؒ نے ایک
مرتبہ اس حقیر سے فرمایا کہ حاجی صاحب سے کہو کہ وہ کیوں نہیں آتے ۔ تو
انھوں نے کہا کہ میں گنہگار آدمی ہوں اس لئے حضرت کی خدمت میں آنے کی
جرأت نہیں کرتا ، شرم معلوم ہوتی ہے ۔ تو میں نے ان کا یہ جواب حضرتؒ سے
نقل کیا تو معاً فرمایا کہ بھائی ان سے کہہ دو کوئی حرج نہیں اگر مرید گنہگار ہے تو
پیر بھی تو گنہگار ہے پھر آنے میں کیا مضائقہ ہے ۔ چنانچہ وہ حضرت کی خدمت

میں آنے جانے لگے ۔

ف : سبحان اللہ کیسی تواضع کی بات ارشاد فرمائی جو حضرات اہل اللہ اور
مصلحین امت کا حصہ ہے ۔ (مرتب)

حضرت مصلح الامتؒ کا ایک اور واقعہ

چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت کی خانقاہ فتح پور تال نرجا ضلع مئو کے
متصل استنجاء خانہ کی تعمیر ہو رہی تھی اسی اثناء میں کسی نے کہا کہ استنجاء خانہ جس
زمین پر بن رہا ہے وہ ہماری ہے ۔ تو آپ نے یہ سن کر حکم دیا کہ اسے گرا دو تحقیق
کے بعد دیکھا جائے گا ۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ ان کی زمین نہیں ہے ۔ پھر اس پر
استنجاء خانہ کی تعمیر ہوئی ۔

نیز مزدور کو ہر روز شام کے وقت مزدوری دینے کا اہتمام فرماتے تھے اگر اس
معمول میں متعلقین میں سے کسی سے بھی کوتاہی ہوتی تھی تو مؤاخذہ فرماتے تھے ۔

پس یہ اسوہ تمام مؤمنین کو خصوصاً حضرتؒ کے منتسبین و متعلقین کو متحضر
رکھنا چاہئے اور صلاح و تقوی اللہ اور معاملات کی صفائی کا اہتمام کرنا چاہئے ۔

مگر افسوس کہ ہم متعلقین سے بھی اس کا حق ادا نہیں ہو رہا ہے ۔ العیاذ باللہ

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ کی معافی

۱- یوں تو حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ معمولی سی
بات پر کہ شاید کسی کو اس سے تکلیف پہنچی ہو اس سے معافی مانگتے تھے ۔ چنانچہ

ایک مشہور عالم نے اپنے رسالہ ''الرشاد'' میں اپنے پھولپور جانے کی روداد نقل فرمائی ہے اوراس کے ضمن میں اس چھوٹے سے قریہ کو وادیٔ محبت سے موسوم فرمایاہے۔اسی سفر کے بیان میں ایک وہیں کے کسی عالم کا ذکر آیا جس کوانھوں نے اپنی شان یا حال کے خلاف سمجھا اور ناگواری کا اظہار کیا۔اورصرف انہیں عالم سے نہیں بلکہ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ سے بھی ناگواری بلکہ غیظ وغضب کا اظہار کیا۔ اس سے حضرت والاؒ بہت حزین وغمگین ہوئے اوران سے نہایت لجاجت سے معافی مانگی۔

۲- اسی طرح حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کے کسی خاص متعلق سے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی شان میں کسی تنقیص کی بات صادر ہوئی، جس سے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ بہت ناراض ہوئے۔ جب یہ بات حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کومعلوم ہوئی تو حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ ان صاحب سے بہت ناخوش ہوئے اور فرمایا آپ مولانا کے وطن فتحپور تال نرجا ضلع مئو جاکر معافی مانگئے تب جاکر ہم سمجھیں گے کہ واقعی آپ نے صحیح معنی میں معافی مانگا ہے۔ چنانچہ وہ گئے اور جیسے آپ نے امر فرمایا تھا ویسے ہی انھوں نے معافی مانگا، جس سے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ خوش ہوگئے ،اورحضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کے متعلق فرمایا ایسے بزرگ پہلے ہوا کرتے تھے۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ نے بھی حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے متعلق فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ

وصی اللہ صاحب کی مثال اس زمانہ میں سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ جیسی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام سے مشورہ کا حکم

غزوۂ احد(۱) میں صحابۂ کرام کی لغزش کی بناء پر مسلمانوں کو شکست ہوئی جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت کوفت ہوئی مگر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کو معاف کرنے اوران کے لئے استغفار فرمانے اوران سے خاص باتوں میں مشورہ کرنے کا امر فرمایا۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم وتربیت تھی کہ جیسے اللہ تعالیٰ کا خلق عفوودرگذر کا ہے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی تعلیم دی تاکہ متخلق باخلاق اللہ کے شرف سے مشرف ہوجائیں۔

(۱) نورچشم مولوی محبوب احمد قمرالزمان ندوی سلمہ ہر جمعہ خطبہ سے دس پندرہ منٹ پہلے جامع مسجد قمر دارالمعارف الاسلامیہ کریلی الہ آباد میں عرصہ سے دینی باتیں مصلیوں کو سناتے ہیں جن کو لوگ بہت پسند کرتے ہیں اور متأثر ہوتے ہیں چنانچہ ۷؍صفر ۱۴۲۹ھ کے جمعہ میں ان آیات پر نہایت پراثر بیان کیا جس میں انھوں نے یہ بات کہی کہ اسی غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت عظیم القدر ومحبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ پیش آیا۔جن کو کفار نے نہایت بے دردی سے شہید کیا تھا۔جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت درجہ قلق وصدمہ ہوا مگر اللہ تعالیٰ کی اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص تربیت ملحوظ تھی کہ ایسے جانگداز موقع پر صحابہ کرام کی خطا ولغزش کو معاف کرنے کا امر فرمایا۔نورچشم کی اس بات کا اس حقیر کو بہت اثر ہوا اس لئے ان آیات کا ترجمہ وتفسیر کو رسالہ اعتراف قصور کا جزء بنارہاہوں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے موقع پر صبر وتحمل وعفواور توکل علی اللہ کی سعادت نصیب فرمائے۔اوراللہ تعالیٰ نورچشم سلمہ کو مزید پُردرد اور پراثر بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور قبول فرمائے۔آمین

اب ہم ان آیات کو درج کرتے ہیں جن میں عفو وغیرہ کا امر فرمایا گیا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ.

(سورہ آل عمران)

بعد اس کے اللہ ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تندخو سخت طبیعت ہوتے تو آپ کے پاس سے یہ سب منتشر ہو جاتے، سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور آپ ان کے لئے استغفار کر دیجئے اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے پھر جب آپ رائے پختہ کر لیں سو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کیجئے، بیشک اللہ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔

ان آیات کا پہلی آیات سے ربط کے سلسلہ میں مفسر قرآن حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ یوں رقمطراز ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اول معافی کی بشارت سنا کر (یعنی "وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ" یعنی اللہ ان کو بخش چکا، بے شک اللہ بخشنے والا ہے تحمل رکھتا ہے) آئندہ آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چند امور کا حکم فرماتے ہیں۔ جن سے غرض مذکور حاصل ہو جاوے۔

اب ان آیات کی تفسیر بیان القرآن سے لکھی جاتی ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

صحابہ کے عفو کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُم (الی قوله) اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ.

تفسیر از بیان القرآن: بعد اس کے (کہ ان صاحبوں سے ایسی لغزش ہوئی کہ آپ کو ان پر حق ملامت حاصل تھا) اللہ ہی کی رحمت کے سبب (جو کہ آپ پر ہے) آپ ان کے ساتھ نرم رہے (ان نرم اخلاق کو رحمت کے سبب اس لئے فرمایا کہ خوش اخلاقی عبادت ہے اور عبادت کی توفیق اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوتی ہے) اور اگر آپ (خدانخواستہ) تندخو سخت طبیعت ہوتے تو یہ (بیچارے) آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے، (پھر ان کو یہ فیوض وبرکات کیسے میسر ہوتے) سو (جب آپ نے ان کے افاضہ کے لئے ان کے ساتھ برتاؤ میں ایسی نرمی اختیار فرمائی تو آپ کے حکم میں جو ان سے کوتاہی ہوئی ہے اس کو) آپ (دل سے بھی) ان کو معاف کر دیجئے۔ اور (جو کچھ ان سے اللہ تعالیٰ کے حکم میں کوتاہی ہوگئی اس میں) آپ ان کے لئے (حق تعالیٰ سے) استغفار کر دیجئے (گو اللہ تعالیٰ نے اس لغزش کو معاف فرما دیا ہے مگر آپ کا استغفار فرمانا یہ علامت ہوگی آپ کی زیادہ شفقت کی جس سے ان کو اور زیادہ تسلی ہوگی) اور (بدستور) ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے (تا کہ اس سے اور دونا ان کا جی خوش ہو) پھر (مشورہ لینے کے بعد) جب آپ (ایک جانب) رائے پختہ کر لیں (خواہ وہ ان کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف ہو) سو اللہ تعالیٰ پر اعتماد (کر کے اس کام کو کر ڈالا) کیجئے بیشک اللہ

ایسے اعتماد کرنے والوں سے (جو اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھے) محبت فرماتے ہیں۔

ان آیات کی تفسیر حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ نے اپنی تفسیر ''معارف القرآن'' میں اس طرح کی ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ. اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ.

(سورہ آل عمران)

سو کچھ اللہ کی مہربانی ہے جو تو نرم دل ملا ان کو اور اگر تو ہوتا سخت گو اور سخت دل تو منتشر ہو جاتے تیرے گرد سے، سو تو ان کو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ، اور ان سے مشورے لے کام میں پھر جب ٹھہر چکا تو بھروسہ کر اللہ پر اللہ چاہتا ہے توکل والوں کو۔ اگر اللہ تم کو مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہ ہوگا اور جو وہ تم کو چھوڑ دے گا پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے گا اس کے بعد اور اللہ پر بھروسہ چاہئے مسلمانوں کو۔

تفسیر: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُم (الی قوله) وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ.

احد کے دن جو بعض مسلمانوں سے لغزش ہوئی تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دل رنجیدہ ہوا تو اندیشہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ملامت کریں، اور آئندہ ان سے مشورہ نہ لیا کریں۔ حق تعالیٰ نے صحابہ کی سفارش

فرمائی کہ آپ ان کا قصور معاف فرما دیں، اور حسب دستور ان سے معاملات میں مشورہ کیا کریں، ان کے ساتھ تلطف اور نرمی کا معاملہ فرمائیں۔ چنانچہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد سے واپسی کے بعد ان کے ساتھ نہایت نرمی کا معاملہ فرمایا اور لغزش پر کوئی ملامت نہیں کی، اس بارہ میں یہ آئندہ کی آیتیں نازل ہوئیں۔ پس اس لغزش اور عدول حکمی کے باوجود اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لئے نرم ہو گئے اور آپ نے ان کو کوئی ملامت نہیں کی اور اگر بالفرض والتقدیر خدانخواستہ آپ درشت خو سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر اور پراگندہ ہو جاتے، اس لئے کہ سخت خو اور سخت دل کتنا ہی باکمال کیوں نہ ہو لوگ اس کے پاس جمع نہیں ہوتے، اس صورت میں یہ لوگ آپ کی ہدایت اور نصیحت سے محروم ہو جاتے اور تمہاری دعوت قبول نہ کرتے اور آپ کا اجر بھی متبعین کی قلت کی وجہ سے کم ہو جاتا۔ پس آپ کے حکم کی تعمیل میں ان سے جو کوتاہی ہوئی اس سے درگذر کیجئے اور اس پر کوئی مؤاخذہ نہ کیجئے اور حق تعالیٰ کے حکم میں جو کوتاہی ہو گئی اس میں آپ ان کے لئے دعاء مغفرت کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خطا اور کوتاہی معاف فرمائے، اور حسب دستور آپ ان سے ان کاموں میں مشورہ لیتے رہئے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی قطعی حکم نازل نہیں ہوا تا کہ آپ کے اس تلطف اور عنایت کو دیکھ کر یہ شکستہ خاطر مطمئن ہو جائیں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے راضی ہو گئے، صرف معاف کر دینے سے دل مطمئن نہیں ہوتا جب تک کہ معاملہ شفقت و عنایت کا نہ کیا جائے۔ پس مشورہ کے بعد جب

کوئی بات طے ہوجائے اور آپ اس پر پختہ ارادہ فرمالیں تو اللہ پر بھروسہ کیجئے نہ کہ مشورہ پر۔ اپنے مشورہ اور تدبیر پر اعتماد نہ کرنا، بلکہ اللہ کی امداد اور تائید پر نظر رکھنا، تحقیق اللہ تعالیٰ توکل والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ عقل کے لحاظ سے اگرچہ صحابہ کا گروہ عقلاء کا گروہ ہے اور بلاشبہ قابل مشورہ ہے مگر اعتماد اور بھروسہ اللہ پر چاہئے نہ کہ عقلاء پر، اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا، اور اگر وہی چھوڑ دے تو پھر وہ کون ہے جو اس کی مدد چھوڑنے کے بعد تمہاری مدد کرے، اور اللہ ہی پر بھروسہ چاہئے ایمان والوں کو عقلاء کے مشورہ اور تدبیر پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے، عقل اور عقلاء سب اس کے ہاتھ میں ہیں۔ اسلام کی یہی تعلیم ہے کہ اسباب کو ترک نہ کریں بلکہ ان سے کام لیں مگر کوئی اسباب کو مؤثر حقیقی نہ سمجھیں۔ مؤثر حقیقی قادر مطلق کو سمجھیں اور نظر اسی پر رکھیں اور اسباب کو واسطہ سے زیادہ کچھ نہ سمجھیں۔

(معارف القرآن ادریسی ص ۵۶۷ ج ۱)

ف: یوں تو عام لوگوں کے ساتھ موانست وملاطفت کا سلوک کرنا چاہئے، مگر خاص طور پر علماء ومشائخ کو اس اصل کا پاس ولحاظ رکھنا چاہئے، تاکہ مسترشدین کے بعد ودوری کا سبب نہ ثابت ہو۔ بوقت ضرورت اصلاح کے لئے موعظت وغلظت روا ہے مگر اس کو بصیرت کے ساتھ سمجھ کر اختیار کرنا چاہئے، ورنہ تلطف ورفق ہی سے کام لینا چاہئے، اس لئے کہ اس میں نفع کثیر اور عام ہے۔ اس لئے جو شخص بھی دینی واصلاحی کام کر رہا ہے اس کو خلوص کے ساتھ تعلیم الٰہی اور سنت نبوی کے طریقہ پر عمل کرنا لازم ہے۔ چونکہ ان آیات

میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عفو ودرگذر کا صراحۃً امر فرمایا ہے اس لئے آپ نے فتح مکہ کے موقع پر عفو ودرگذر کا ایسا عام مظاہرہ فرمایا کہ مخلوق نے پہلے ایسا کبھی دیکھا نہ تھا، چنانچہ اس کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔ (مرتب)

فتح مکہ کے دن حضور ﷺ کی طرف سے عام معافی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ اس سلسلہ میں ''نبی رحمت'' میں یوں رقمطراز ہیں۔

فتح مکہ کے دن آپ کے چچازاد بھائی ابوسفیان (ابن الحارث بن عبدالمطلب) ملے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منہ پھیر لیا، اس لئے کہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی ایذا پہنچائی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کہی تھی، انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس بات کا شکوہ کیا، انھوں نے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک کی طرف آؤ، اور وہ کہو جو برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام سے کہا تھا۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخَاطِئِيْنَ.	انھوں نے کہا بخدا اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو ہم پر برتری وبلندی بخشی اور بلاشبہ ہم تاسر قصوروار ہیں

اس لئے کہ آپ یہ پسند نہیں فرماتے کہ اچھی اور نرم بات کہنے میں آپ سے کوئی بڑھ جائے، انھوں نے یہی کہا اور سامنے آکر یہ آیت پڑھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ

لَکُمُ وَھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ" (یعنی آج کے دن میری جانب سے تم پر کوئی سرزنش نہیں اللہ تعالیٰ تمہارا قصور بخش دے اور وہ تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے) اس کے بعد بہت اچھے اور راسخ مسلمانوں میں ان کا شمار ہوا، لیکن اسلام لانے کے بعد پھر کبھی انھوں نے شرم کے مارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آنکھیں چار نہ کیں۔ (نبی رحمت ص ۴۴۸)

اور اسی واقعہ کو حضرت مولانا شبلی نعمانیؒ اپنی مشہور کتاب "سیرۃ النبی" میں یوں تحریر فرما رہے ہیں۔

فتح مکہ کے دن اسلام کا سب سے بڑا احسان جو اس نے تمام دنیا پر کیا، مساوات کا قائم کرنا تھا، یعنی عرب وعجم، شریف ورذیل، شاہ وگدا سب برابر ہیں۔ ہر شخص ترقی کر کے ہر انتہائی درجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی آیت پڑھی اور پھر توضیح فرمائی کہ "تم سب اولاد آدم ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے"۔

خطبہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع کی طرف دیکھا تو جباران قریش سامنے تھے۔ وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں۔ وہ بھی تھے جن کی تیغ وسنان نے پیکر قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں۔ وہ بھی تھے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے۔ وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خون نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی، وہ بھی تھے جن کے

حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آ کر ٹکراتا تھا، وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشی مہریں لگایا کرتے تھے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا "تم کو کچھ معلوم ہے؟ میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟۔

یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے بے رحم تھے، لیکن مزاج شناس تھے پکار اٹھے کہ "**اخ کریم وابن کریم**" تو شریف بھائی ہے اور شریف بھائی کا لڑکا ہے" ارشاد ہوا "**لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا وانتم الطلقاء**" تم پر کچھ الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

کفار مکہ نے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کر لیا تھا، اب وہ وقت تھا کہ ان کو ان کے حقوق دلائے جائیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ بھی ان مملوکات سے دستبردار ہو جائیں۔ (سیرت النبی ص ۳۷۰ ج ۱)

حضرت یوسف علیہ السلام کے معاف فرمانے کا واقعہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:۔

اَنَـا یُـوْسُفُ وَھٰـذَا اَخِـیْ قَـدْمَـنَّ اللّٰـہُ عَلَیْنَا اِنَّہٗ مَن یَّتَّـقِ وَیَـصْبِـرْ فَـاِنَّ اللّٰـہَ لَایُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ. (سورۂ یوسف ۹۰)

ہاں میں یوسف ہوں اور یہ (بنیامین) میرا ماں جایا بھائی ہے اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا اور جو شخص بھی برائیوں سے بچے اور (مصیبتوں میں) ثابت قدم رہے تو اللہ نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اب برادران یوسف علیہ السلام کے پاس ندامت، شرمساری، خفت اور اعتراف خطا وجرم کے سوا کیا تھا۔ معًا یوسف علیہ السلام کی تباہی وبربادی کے لئے اپنی تمام بیہودگیوں کا نقشہ ان کے آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور جب ان پر یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ جس کو کل کنعان کے کنوئیں میں پھینک کر آئے تھے وہ آج عزیز مصر بلکہ مصر کے تاج وتخت کا مالک ہے تو سوتیلے بھائیوں نے سر جھکا کر کہا:۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَکَ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَاِنْ کُنَّا لَخَاطِئِیْنَ.	انھوں نے کہا بخدا اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو ہم پر برتری وبلندی بخشی اور بلاشبہ ہم تا سر قصوروار ہیں

ان کی اس خستہ حالی اور پشیمانی کو دیکھا تو ان کی اخلاقی برتری اور پیغمبرانہ رحمت ورأفت اس کو برداشت نہ کرسکی اور عفو ودرگذر اور حلم وکرم کے ساتھ فورًا یہ ارشاد فرمایا:۔

”لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ“
(یعنی آج کے دن میری جانب سے تم پر کوئی سرزنش نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارا قصور بخش دے، اور وہ تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے)

یعنی جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا اب ہم سب کو یہ سب داستان فراموش کر دینی چاہئے، میں درگاہ الٰہی میں دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہاری اس غلطی کو معاف فرمادے کیونکہ وہی سب سے بڑھ کر رحیم وکریم ہے۔ (قصص القرآن ص ۳۳۰ ج ۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاف فرمانے کے واقعات

از: اکمل واشرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

۱- ہبار ابن الاسود وہ شخص ہے جو ایک حیثیت سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا قاتل ہے اور کئی شرارتوں کا مرتکب ہو چکا ہے، مکہ کی فتح کے موقع پر اس کا خون ہدر کیا جاتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ بھاگ کر ایران چلا جائے، لیکن پھر کچھ سوچ کر سیدھا درِ دولت پر حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا، لیکن پھر مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رحم وکرم اور عفو وحلم یاد آیا، میں حاضر ہوں، میرے جرائم کی جو اطلاعیں آپ کو ملی ہیں وہ سب درست ہیں، اتنا سنتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور دوست ودشمن کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔

۲- عمیر بن وہب بدر کے بعد ایک قریشی رئیس کی سازش سے اپنی تلوار زہر میں بجھا کر مدینہ آتا ہے اور اس تاک میں رہتا ہے کہ موقع پا کر نعوذ باللہ آپ کا کام تمام کردے، کہ وہ ناگاہ گرفتار ہوجاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جاتا ہے، اس کا گناہ ثابت ہوجاتا ہے، مگر وہ رہا کردیا جاتا ہے۔

۳- آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر جاتے ہیں جو یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز ہے، لڑائیاں ہوتی ہیں، شہر فتح ہوتا ہے، ایک یہودیہ دعوت کرتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلا پس وپیش منظور فرماتے ہیں، یہودیہ جو گوشت پیش کرتی ہے اس میں زہر ملا ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم گوشت کا ٹکڑا منہ میں

رکھتے ہیں کہ آپ کو اطلاع ہو جاتی ہے، یہود یہ بلائی جاتی ہے وہ اپنے قصور کا اعتراف کرتی ہے، لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے اس کو کوئی سزا نہیں ملتی، حالانکہ اس زہر کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بعد عمر بھر محسوس ہوتا رہا۔

۴- غزوۂ نجد سے واپسی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں، دو پہر کا وقت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار درخت پر لٹک رہی ہے، صحابہ اِدھر اُدھر درختوں کے سائے میں لیٹے ہیں، کوئی پاس نہیں ہے، ایک بدو تاک میں رہتا ہے، وہ اس وقت سیدھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا ہے، درخت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار اتارتا ہے، پھر نیام سے باہر کھینچتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل جاتی ہے، وہ تلوار ہلا کر پوچھتا ہے ''محمد! بتاؤ اب کون تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے''؟ ایک پر اطمینان صدا آتی ہے کہ ''اللہ'' اس غیر متوقع جواب سن کر وہ مرعوب ہو جاتا ہے، تلوار نیام میں کر لیتا ہے، صحابہ آجاتے ہیں، بدو بیٹھ جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کوئی تعرض نہیں فرماتے ہیں۔

۵- ایک دفعہ ایک کافر گرفتار ہو کر آتا ہے کہ قتل کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھات میں تھا، وہ سامنے پہنچتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تسلی دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم قتل کرنا چاہتے بھی تب بھی نہیں کر سکتے تھے، غزوۂ مکہ میں اسی آدمیوں کا دستہ گرفتار ہوا جو جبل تنعیم سے اتر کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہتا تھا آپ کو

خبر ہوئی تو فرمایا ان کو چھوڑ دو۔

(اکمل واشرف محمد عربی ﷺ مؤلفہ مفتی مولانا محمد صاحب پالنپوری)

حضرت علی بن حسینؓ بن علیؓ کے معاف کرنے کا واقعہ

حضرت علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کا ایک واقعہ ہے کہ باندی انھیں وضو کرانے کے لئے اوپر سے پانی ڈال رہی تھی۔ اتفاقاً باندی کے ہاتھ سے جگ چھوٹ کر ان کے چہرے پر گر گیا۔ جس سے چہرہ زخمی ہو گیا، انھوں نے سر اٹھا کر باندی کو دیکھا تو باندی نے آیت پڑھی ''وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ'' انھوں نے فرمایا میں نے اپنا غصہ پی لیا۔ باندی نے پڑھا ''وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ'' انھوں نے فرمایا میں نے معاف کر دیا اللہ بھی معاف کرے۔ پھر اس نے پڑھا ''وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ'' فرمایا جاؤ آج سے اللہ کے لئے آزاد ہو۔ (ہدایۃ المسترشدین)

حضرت میمون بن مہرانؒ کے معاف کرنے کا واقعہ

حضرت میمون بن مہرانؒ کے یہاں کچھ مہمان تھے۔ ان کی باندی ایک برتن میں گرم سالن لے کر آرہی تھی۔ اس کا پیر پھسل گیا اور سالن حضرت میمون بن مہران کے سر پر گر پڑا۔ حضرت میمون بن مہران نے باندی کی پٹائی کرنی چاہی تو باندی نے کہا میرے آقا حق تعالیٰ کے فرمان پر عمل کیجئے، ''وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ'' غصہ کو پی جانے والے۔ انھوں نے کہا میں نے اس

پر عمل کر کے غصہ ضبط کرلیا۔ باندی نے کہا بعد والے حصہ پر بھی عمل کیجئے "وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ" اور لوگوں کو معاف کردینے والے، انھوں نے کہا میں نے تمہیں معاف بھی کردیا۔ باندی نے آیت کا اگلا حصہ پڑھا "وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ" اللہ حسن سلوک کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ انھوں نے کہا میں تمہارے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے اللہ کی رضا کی خاطر تم کو آزاد کردیا اور یہ ایک ہزار درہم بھی تمہارے لئے ہیں۔

سزا دینے کی طاقت کے باوجود حلم وبردباری اور عفو وکرم گستری کا یہ اعلیٰ نمونہ ہے۔ (ہدایۃ المسترشدین)

ماں کو دودھ میں پانی ملانے سے منع کرنے کا واقعہ

حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے دور خلافت میں دودھ میں پانی ملانے کی ممانعت فرما دی تھی، ایک رات اطراف مدینہ میں (کسی ضرورت کے لئے) نکلے، اچانک ایک عورت کی آواز سنی، وہ اپنی لڑکی سے کہہ رہی تھی: "بیٹی تم نے ابھی تک دودھ میں پانی نہیں ملایا؟ صبح ہونے کو ہے" لڑکی بولی "دودھ میں پانی کیسے ملاؤں امیر المومنین نے تو اس سے منع کر رکھا ہے" بڑھیا: اور لوگ تو ملاتے ہی ہیں، تم بھی ملالو، امیر المومنین کو کیا خبر؟ لڑکی: اگر عمر کو خبر نہیں تو رب عمر تو جانتا ہے، جب ان کی ممانعت ہے تو مجھ سے تو یہ نہیں ہوگا۔

اس لڑکی کی گفتگو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بیحد پسند آئی، صبح ہوئی تو اپنے صاحبزادہ عاصم کو بلا کر یہ سارا قصہ سنایا اور فرمایا "جاؤ دریافت کرو وہ کون

ہے؟ عاصم گئے، تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس لڑکی کا تعلق قبیلۂ بنی ہلال سے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (کو آکر اطلاع دی تو یہ سن کر آپ) نے عاصم سے فرمایا بیٹا جاؤ اس لڑکی سے نکاح کرلو، وہ یقیناً اس لائق ہے کہ اس کے بطن سے ایک شہسوار پیدا ہو، جو تمام عرب کی قیادت کرے۔ چنانچہ عاصم نے اس لڑکی سے نکاح کرلیا، اس کے بطن سے ام عاصم بنت عاصم بن عمر بن خطاب پیدا ہوئیں۔ ام عاصم کا نکاح عبدالعزیز بن مروان بن الحکم سے ہوا اور ان سے عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوئے۔ رضی اللہ عنہم (سیرت عمر بن عبدالعزیز ص۱۳)

ف: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فراست ایمانی تو دیکھئے کہ بچی کی ایک بات سے سمجھ گئے کہ یہ لڑکی آگے چل کر بہت ہی نیک خاتون ہوگی، اس لئے اپنے صاحبزادے حضرت عاصم کو نکاح کرنے کا امر فرمایا۔ نیز اس سے حضرت عمر رضی للہ عنہ کی دین ودیانت کی قدر دانی بھی معلوم ہوئی کہ رشتۂ نکاح کے لئے کچھ نہیں دیکھا سوائے تدین کے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے عین مطابق تھا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء (مرتب)

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تواضع وفروتنی کا مشورہ دینا

عن عائشة قالت قال	حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن)
رسول الله صلى الله	رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرمانے
عليه وسلم ياعائشة	لگے اے عائشہ! اگر میں چاہوں (اور

لوشئت لسارت معی جبال الذھب جاء نی ملک وان حجزته لتساوی الکعبة فقال ان ربک یقرأ علیک السلام ویقول ان شئت نبیا عبدا وان شئت نبیا ملکا فنظرت الیٰ جبرئیل علیه السلام فاشار الی ان ضع نفسک وفی روایة ابن عباس فالتفت رسول الله صلی الله علیه وسلم الیٰ جبرئیل کالمستشیر له فاشار جبرئیل بیده ان تواضع فقلت نبیا عبدا قالت فکان رسول الله صلی الله علیه وسلم بعد ذالک لایاکل متکئا

اپنے پروردگار سے اپنے لئے دنیا کا مال ومنال طلب کروں) تو یقیناً میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں۔ (میں تمہیں ایک دن کی بات بتاتا ہوں کہ) میرے پاس ایک فرشتہ آیا (جو اس قدر دراز تھا کہ) اس کی کمر کعبہ کے برابر تھی، اس نے مجھ سے کہا کہ آپ کا پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے، اور فرماتا ہے کہ چاہے تو بندہ پیغمبر بنو چاہے بادشاہ پیغمبر بننا منظور کر لو۔ (یعنی آپ کو دونوں باتوں کا اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہے ایسا پیغمبر بن جائیے جو عجز وبیچارگی، تنگی اور فقر ومشقت کی زندگی گذارے اور چاہے ایسا پیغمبر بن جائیے جو راحت وآرام، شاہانہ ٹھاٹ باٹ اور مال ودولت کے ساتھ زندگی گذارے) میں نے (یہ سن کر) جبرئیل (یعنی اس فرشتہ) کی طرف (سوالیہ انداز میں) دیکھا (گویا ان سے مشورہ طلب کیا کہ تم

یقول آکل کما یاکل العبد واجلس کما یجلس العبد. رواه فی شرح السنة.

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۲۱ ج۲)

ہی بتاؤ میرے لئے کون سی صورت بہتر رہے گی) انھوں نے کہا اپنے نفس کو پست کر دو۔ یعنی فقر ومشقت اور تنگی اور محتاجگی کی زندگی اختیار کرو نہ کہ عیش وراحت اور ٹھاٹ باٹ کی زندگی کو۔.....

......اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (اللہ کا مذکورہ پیغام سن کر) جبرئیل کی طرف متوجہ ہوئے اور مشورہ طلب انداز میں ان کی طرف دیکھا، حضرت جبرئیلؑ نے اپنے ہاتھ سے (زمین کی طرف) اشارہ کر کے بتایا کہ پستی وانکساری اختیار کر لیجئے۔ پس (آنحضرت نے فرمایا) میں نے کہا کہ یقیناً میں بندہ پیغمبر بنوں گا۔ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا: اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اس طرح کھانا کھاتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے، اور میں اس طرح بیٹھتا ہوں جیسے غلام بیٹھتا ہے۔ اس روایت کو بغوی نے شرح السنہ میں نقل کیا ہے۔

تشریح: حضرت جبرئیل علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ پستی وانکساری اختیار کر لیجئے: اس کا مطلب یہ ہے کہ فقر ومشقت اور تنگی ومحتاجگی کی زندگی اختیار کر لیجئے جس میں دنیاوی طور پر پستی وانکساری ہے لیکن اللہ کے نزدیک بلند قدری ہے، اس کے برخلاف بادشاہت اور دولتمندی کی زندگی، سرکشی اور خدا فراموشی کی باعث اور تکبر اور ناشکری کی موجب ہوتی ہے جس کو اختیار کر کے انسان اپنے پروردگار کی قربت وچاہت سے دور جا پڑتا ہے۔ حضرت

جبرئیل علیہ السلام نے یہ بات گویا غالب احوال ؎ کے اعتبار سے بتائی، اور اسی لئے اکثر انبیاء وصلحاء نے فقر وتنگی ہی کی زندگی کو اختیار کیا اور انھوں نے ہمیشہ مال ودولت اور عیش وراحت کی زندگی پر مشقت ومحنت کی زندگی کو ترجیح دی۔ **اللّٰھم اجلعلنا منھم واحشرنا معھم.** آمین۔

(مظاہر حق جدید ص ۶۶۸ ج ۶)

صاحب مرقاۃ ملاعلی قاریؒ نے اس حدیث کی شرح کے ضمن میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

واختر ان تكون فی مقام العبودية فانه فی المآل اعلیٰ وفی المنازل اغلیٰ وفی ذوق الطالبين احلیٰ فان الملک لله الواحد القهار وقد قال تعالیٰ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ" (الذاريات) ای لتظهر عبوديتهم لی والوهيتی

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو مشورہ دیا کہ آپ مقام عبودیت میں رہنے کو اختیار فرمائیے اس لئے کہ یہ آخرت میں بلندتر مرتبہ اور مقامات عالیہ میں گراں قدر مقام اور طالبین کے ذوق میں بیحد شیریں ہے۔ اس لئے کہ ملک تو اللہ واحد قہاری کے لئے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں نے جن وانس کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں تا کہ ان کی عبودیت وبندگی مجھ پر ظاہر

؎ یعنی بعض ایسے حضرات بھی ہیں کہ بادشاہت اور دولتمندی ان کے لئے خدافراموشی اور کفران نعمت کا باعث نہیں بنتی۔ (قمر الزمان)

وربوبيتی لهم.

ہو اور میری الوہیت وربوبیت ان پر منکشف ہو۔

(مرقاۃ ج۱۰ ص ۵۰۰)

حاصل کلام یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی ہونے کے ساتھ عبد ہونے کو پسند فرمایا۔ جس کا اظہار واعتراف حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے رہتے تھے جیسا کہ ان کلمات سے ظاہر ہے:۔

اللّٰهم انی عبدک وابن عبدک وابن امتک ناصيتی بيدک ماضٍ فیَّ حكمک عدل فیَّ قضاؤک.

یا اللہ میں غلام ہوں تیرا اور بیٹا ہوں تیرے غلام کا اور بیٹا ہوں تیری لونڈی کا ہمہ تن قبضہ میں ہوں تیرے، نافذ ہے میرے بارے میں حکم تیرا، عین عدل ہے میرے بارے میں فیصلہ تیرا۔

ف: سبحان اللہ کیسے عبدیت وفنائیت کے کلمات ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا عبد کامل ہی کہہ سکتا تھا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور سے مسکنت وخاکساری کے حصول اور مسکینوں اور خاکساروں کے ساتھ حشر ونشر کی دعا یوں فرمارہے ہیں:۔

اللّٰهم احينی مسكينا وامتنی مسكينا واحشرنی فی زمرة المساكين.

یا اللہ! زندہ رکھ خاکسار اور مارنا مجھے خاکسار اور اٹھانا مجھے خاکساروں کے گروہ میں۔

چنانچہ حضرت العلامہ عبدالوہاب شعرانیؒ نے کہیں فرمایا کہ نظر کشفی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کی رفعت کا کسی قدر اندازہ تو ہوتا بھی ہے

لیکن مقام عبدیت کا اندازہ بالکل نہیں ہوتا۔

سبحان اللہ کیسی حقیقت آشکارا فرمائی جو آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہے۔(مرتب)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت فنائیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمارہے ہیں۔

اللّٰھم ان قلوبنا ونواصینا	یا اللہ! ہمارے دل اور سرتا پا ہم اور
وجوارحنا بیدک لم	اعضاء ہمارے تیرے قبضہ میں
تملکنا منھا شیئا فاذا	ہیں۔نہیں اختیار کامل دیا ہے تو نے
فعلت ذالک بنا فکن	ہمیں ان میں سے کسی چیز پر۔ پس
انت ولینا واھدنا الیٰ	جب تو نے ہمارے ساتھ یہ معاملہ کیا
سوآء السبیل.	ہے تو رہنا تو ہی مددگار ہمارا، اور دکھا
(مناجات مقبول ص ۴۵)	ہمیں سیدھا راستہ۔

ف: اس کے فائدہ کے تحت حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ کوئی صوفی ہے جس نے ایسی فنائیت اختیار کی ہو کہ اپنے ہاتھ اور پیر کو بھی اپنی ملکیت میں نہ سمجھے بلکہ ان کو بھی اللہ تعالیٰ کی ملک سمجھتا ہو۔

اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر فنائیت نہ ہو اور بعد کے لوگوں کو یہ دولت حاصل ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام فنا میں بھی لوگوں کے امام تھے۔ اس لئے کہ اگر یہ وصفِ فنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

اندر نہ ہوتا تو پھر یہ چیز بعد والوں کے لئے بدعت اور محدث ہوتی۔

نیز معرفت الٰہیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عبدیت کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ راتوں میں نماز کے اندر اس قدر قرآن پڑھتے تھے کہ کھڑے کھڑے پاؤں مبارک سوج آتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ ''**ما عبدنک حق عبادتک**'' اے اللہ! آپ کی عظمت اور جلالت کی شایان شان ہم سے عبادت نہ ہوسکی۔ ع

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

(معرفت الٰہیہ ص ۳۶۹)

نیز حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی شہیدؒ اپنی کتاب ''مقالات وشذرات'' میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

قرآن پاک میں حضور ﷺ کی صفت عبدیت کا ذکر

قرآن کریم نے واقعۂ اسراء کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو خاص وصف ذکر فرمایا ہے، وہ ''**عبدہ**'' ہے، یعنی حق تعالیٰ شانہ کے بندۂ خاص۔

اسی میں اس طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رفعت وبلندی عطا کی گئی اس کی اصل علت' آپ کی عبدیت کاملہ ہے، حق تعالیٰ شانہ کا اپنے بندوں کے ساتھ یہی معاملہ ہے کہ جو بندہ جتنی پستی' جتنی تواضع اور عبدیت اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس کو اسی قدر بلند فرماتے ہیں، اور جو شخص

جس قدر اپنی بڑائی کا اظہار اور تکبر کی نمائش کرے، حق تعالیٰ شانہ اسے اسی قدر ذلیل اور پست کرتے ہیں حدیث میں ارشاد ہے "من تواضع للہ رفعہ اللہ" (کنز العمال ج۴ ص۱۱۲) یعنی جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کی، اللہ تعالیٰ نے اسے بلند کردیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تواضع انسان کے اخلاقی کمالات میں سب سے بڑا کمال ہے، اور تکبر انسان کے اخلاقی عیوب میں سب سے بڑا عیب ہے۔ (مقالات وشذرات ص۱۵)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خشیت

آپ فرماتے تھے کہ کاش میں کوئی شجر ہوتا جو کاٹ دیا جاتا اور کھا لیا جاتا۔ اور آپ اپنی زبان کو پکڑ کر فرماتے کہ اسی نے مجھ کو ہلاکت کے مواقع میں پہونچایا۔ (اقوال سلف اول ص۵۲)

حضرت عمر فاروقؓ کی فنائیت

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اے کاش میں دنبہ ہوتا کہ لوگ جس قدر چاہتے مجھے تیار کرتے پھر کاٹ کر کھا جاتے، پھر فضلہ ہو کر نکل جاتا مگر آدمی نہ بنایا جاتا۔

آپ جب گھورے پر سے گذرتے تو کھڑے ہو جاتے اور فرماتے یہی تمہاری دنیا ہے جس کی تم حرص کرتے ہو۔ (اقوال سلف اول ص۵۵)

حضرت عائشہؓ کی فنائیت ونیستی

عن ابن ابی ملیکة قال استأذن ابن عباس قبل موتها علیٰ عائشة وهی مغلوبة قالت اخشیٰ ان یثنی علیّ فقیل ابن عم رسول الله صلی الله علیه وسلم ومن وجوه المسلمین قالت ائذنوا له فقال کیف تجدینک قالت بخیر ان اتقیت قال فانت بخیر ان شاء الله زوجة رسول الله صلی الله علیه وسلم ولم ینکح

ابن ابی ملیکہ نے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ کی وفات سے تھوڑی دیر پہلے جب کہ وہ نزاع کی حالت میں تھیں، ابن عباسؓ نے آپ کے پاس آنے کی اجازت چاہی، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ میری تعریف نہ کرنے لگیں، کسی نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں اور خود بھی عزت دار ہیں (اس لئے آپ کو اجازت دیدینی چاہئے) اس پر آپ نے فرمایا کہ پھر انھیں اندر بلالو۔ حضرت ابن عباسؓ نے آپ سے پوچھا آپ کس حال میں ہیں؟ آپ نے فرمایا اگر میں اہل تقویٰ میں سے ہوں تو خیریت ہے (یعنی اگر میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی ہوں تو سب اچھا ہی اچھا ہے) ابن عباسؓ نے کہا انشاء اللہ آپ اچھی ہی رہیں گی (یعنی

بكرا غيرك ونزل عذرك من السماء ودخل ابن الزبير خلافه فقالت دخل ابن عباس فاثنى على ووددت انى كنت نسيا منسيا. (رواه البخارى)

خاتمہ بخیر ہی ہوگا) آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں اور آپ کے سوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا، اور آپ کی برأت (قرآن مجید میں) آسمان سے نازل ہوئی۔ اورابن عباسؓ کے تشریف لے جانے کے بعد آپ کی خدمت میں عبداللہ ابن زبیرؓ حاضر ہوئے، حضرت صدیقہؓ نے ان سے فرمایا کہ ابھی ابن عباس آئے تھے اور میری تعریف کی، میں تو چاہتی ہوں کہ میں بھولی بسری گمنام ہوتی۔

نیز دوسری روایت میں ہے۔

عن هشام عن ابيه عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها انها اوصت عبدالله ابن الزبيرؓ لاتدفنى معهم وادفنى مع صواحبى بالبقيع لاازكىٰ به ابدا. (بخاری ج۱ص۱۸۶)

حضرت ہشام سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے اور وہ روایت کرتے ہیں حضرت عائشہؓ سے کہ انھوں نے وصیت فرمایا حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو کہ مجھ کو ان لوگوں کے ساتھ دفن نہ کرنا (یعنی حضورﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ) مجھ کو میری......

......سوکنوں کے ساتھ بقیع میں دفن کرنا، میں نہیں چاہتی کہ آپﷺ کے ساتھ میری بھی تعریف ہوا کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ کلام غایت تواضع اور کسر نفسی سے ناشی ہے، جیسا کہ فتح الباری میں ہے " قوله (لاازكىٰ بضم اوله وفتح الكاف على البناء للمجهول، اى لايثنى على بسببه ويجعل لى بذالک مزية وفضل وانا فى نفس الامر يحتمل ان لا اكون كذالک، وهذا منها على سبيل التواضع وهضم النفس"، یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کی وجہ سے میری تعریف نہ کی جائے، اور اس کی وجہ سے مجھے کوئی خصوصیت اور فضیلت نہ حاصل ہو جائے۔ جب کہ میں حقیقۃً اس کی اہل نہیں ہوں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول بر بناء تواضع اور کسر نفسی کے ہے۔

ف: میں سمجھتا ہوں کہ صوفیائے کرام اسی کو فنا و نیستی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لئے میں بالیقین کہتا ہوں کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسے عالمۂ عارفہ اور فقیہہ تھیں ویسے ہی صوفیہ صافیہ بھی تھیں۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر مقامات سلوک کو باقاعدہ طے فرمایا تھا اور طریق کے اسرار و معارف سے بہرہ ور ہوئی تھیں۔ ان کے نقش قدم پر چل کر بعد کی بہت سی بانصیب عورتوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت حاصل کر کے اللہ کی نسبت سے مشرف ہوئیں۔ چنانچہ حضرت العلامہ عبدالرحمٰن جامیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "نفحات الانس" میں بہت سی نساء عارفات کا مستقلا ذکر

فرمایا ہے۔اس لئے اس حقیر نے بھی اپنی تصنیف ''اقوال سلف حصہ اول'' میں بہت سی ولی اللہ وعارفہ باللہ عورتوں کا تذکرہ کیا ہے جو ہم سب کے لئے نہایت نصیحت آمیز ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ حقیر مزید عرض پرداز ہے کہ جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جملہ سلاسل صوفیہ کے سرحلقہ ومنتہاء ہیں اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی طریق کے بلند مقام پر فائز ہیں۔**فللہ الحمد و المنہ**.(مرتب)

اکابر کے تواضع وفنائیت کے واقعات وارشادات

اب جی چاہتا ہے کہ الدر المنضود سے تواضع وانکسار کے واقعات وارشادات نقل کروں۔جس کا مختصر تعارف یہ ہے کہ یہ کتاب بھی علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ کی کتاب ''البحر المورود'' کا ترجمہ ہے، جس کا ترجمہ حضرت محدث کبیر مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی فرمائش پر کیا ہے جیسا کہ خود مولاناؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

''میں نے چاہا تھا کہ اول عہد محمدیہ مصنفہ علامہ شعرانیؒ کا ترجمہ احباب کے سامنے پیش کروں مگر ایک بار حضرت حکیم الامت دام مجدہم کے سامنے جب یہ ارادہ عرض کیا تو فرمایا کہ عہد محمدیہ بڑی کتاب ہے اس کے ترجمہ میں بہت زمانہ صرف ہوگا۔میری رائے میں پہلے ''البحر المورود'' کا ترجمہ کرنا چاہئے کہ وہ چھوٹی کتاب ہے اور مضامین بھی نئے ہیں۔عام لوگوں کے لئے

مفید بھی بہت زیادہ ہیں اس لئے بنام خدا اول اسی کا ترجمہ شروع کیا''۔

لہذا یہ حقیر اس سے عہد اول کو نقل کرتا ہے جو نہایت مؤثر ومفید ہے۔اللہ ناظرین کو اس سے نفع عطا فرمائے۔آمین

اپنے آپ کو ہر مسلمان سے کم سمجھیں

ہم سے عہد لیا گیا ہے۔(اور ہم فضل خداوندی سے اس کے پورا ہونے کی امید رکھتے ہیں) کہ ہم اپنے پاس بیٹھنے والے ہر مسلمان سے اپنے آپ کو کم سمجھیں اگر چہ وہ مسلمان بدحالی میں کیسا ہی انتہاء کو پہنچ گیا ہو مگر ہم اپنے نفس کو اس سے کم ہی سمجھیں۔تمام سلف صالحین کا یہی مذاق تھا، رضی اللہ عنہم۔جیسے وہب بن منبہؒ اور (خلیفہ راشد) عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصریؒ اور سفیان ثوریؒ فضیل بن عیاضؒ وعمرو بن ہجیدؒ۔

وہب بن منبہؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ اس وقت تک متواضع نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے گھر سے نکل کر لوٹنے تک کسی کو اپنے سے کم نہ سمجھے۔اور عمرو بن ہجیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ کی طرف عبدیت کا کوئی درجہ اس وقت تک منسوب نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے تمام طاعات کو ریا اور تمام حالات وکیفیات کو جھوٹے دعوے نہ سمجھے۔اور میں سیدی علی خواصؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ تکبر اور رعونت والوں میں سے جو کوئی اس بات میں شک کرے کہ اس کا نفس اس کے پاس بیٹھنے والے سے کمتر ہے اس کو چاہئے کہ اپنی ان تمام لغزشوں اور گناہوں کو جو اتنی عمر میں اس سے سرزد

ہوئی ہیں اپنے نفس کے سامنے پیش کرے، پھر ان کا ان نقائص سے مقابلہ
کرے جو اس کے پاس بیٹھنے والے کے اندر اس کے علم میں ہیں تو غالب یہ
ہے کہ اپنے گناہوں کو پاس بیٹھنے والے کے نقائص معلومہ سے یقیناً زیادہ
پائے گا۔ کیونکہ اکثر یہی قاعدہ ہے کہ انسان اپنے نفس کے نقائص کو دوسرے
کے نقائص سے زیادہ جانتا ہے، اور جو شخص گناہوں میں اپنے ہمنشین سے
بڑھا ہوا ہو وہ مرتبہ میں بھی (یقیناً) کمتر ہوگا۔ (پس اب کیا حق ہے کہ اپنے
آپ کو اس سے افضل سمجھے اور بعض لوگوں کو جب دوسرے کے گناہوں کا
پوری طرح علم نہیں ہوتا تو یہ خیال کر لیا کرتے ہیں کہ اس کے بھی گناہ بہت
ہوں گے، اگر چہ میں نہیں جانتا)

اور کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ صرف گمان اور تخمین سے اپنے پاس بیٹھنے
والے کو کثرتِ معاصی میں اپنے نفس پر قیاس کرے اور (دل ہی دل میں)
یوں کہے کہ ایسے شخص سے یہ بات بعید ہے کہ اللہ نے اس کو ان گناہوں کے
ارتکاب سے محفوظ رکھا ہوگا جو مجھ سے سرزد ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ یہ بدگمانی
ہے (اور بدگمانی جائز نہیں)

اور اگر فرض کر لیا جائے کہ کسی کو دوسرے کے عیوب اپنے عیوب سے
زیادہ معلوم ہیں تب بھی اس کو لائق یہی ہے کہ دوسرے کے عیبوں کو نظر کرنا
چھوڑ دے اور اپنے اپنے گناہوں کی وجہ سے خوف خدا میں مشغول ہو۔ اگر چہ
وہ دوسروں کے گناہوں سے شمار میں کم ہی ہوں۔ کیونکہ ہر مکلّف کے لئے
اپنے گناہوں کی وجہ سے اہتمام کے ساتھ خوف خدا کو دل میں جگہ دینا

دوسروں کے گناہوں کے شمار کرنے کی فکر میں پڑنے سے زیادہ بہتر ہے
خصوصاً جب کہ یہ بھی خبر نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کس بات پر مؤاخذہ کریں گے
اور کس گناہ سے چشم پوشی فرمائیں گے۔ ممکن ہے کہ اللہ اس کو معاف کر دے
اور تم سے مؤاخذہ کرے۔ (اور اس سے بھی ترقی کر کے ہم یوں کہہ سکتے ہیں
کہ فرض کر لو کہ تمہارے اندر بہت سی خوبیاں ہیں اور کوئی بھی عیب نہیں اور
دوسرے شخص میں کوئی بھی خوبی نہیں اور تمام عیوب موجود ہیں جب بھی تم اپنے
کو اس سے افضل نہیں سمجھ سکتے کیونکہ قاعدہ شرعیہ ہے الاعمال بالخواتیم کہ
اعمال کا اعتبار خاتمہ سے ہوتا ہے۔ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارا خاتمہ انہیں اعمال
پر ہوگا یا تقدیر میں کچھ اور لکھا ہوا ہے۔ اور کیا عجب کہ جس شخص میں اس وقت
سرتا پا گناہ ہی گناہ ہیں اس کا خاتمہ اچھا ہو جائے اور وہ تم سے مرتبہ میں اللہ
کے نزدیک اعلیٰ ہو جائے۔ پس کبھی اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ نہ سمجھنا
چاہئے اور یہ خیال کر لینا چاہئے کہ اللہ نے دوسرے شخص کو نیک اعمال کی
توفیق نہیں دی۔ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تم سے نیک اعمال سلب کر کے اس کو
دیدے۔ بڑائی اور عظمت حق تعالیٰ شانہ کی ذات پاک کے لئے زیبا ہے۔

بندہ کو عاجزی اور خاکساری ہی میں نجات ہے۔ تواضع اصل عبادت
ہے۔ کیونکہ عبادت غایت ذلت کو کہتے ہیں۔ اس کو خوب جان لو پھر اے عزیز!
تم پر یہ بات چھپی نہ رہنی چاہئے کہ یہ عہد اس کتاب کے تمام عہود پر عمل کرنے
کے لئے دہلیز ہے۔ پس جو کوئی اس دہلیز سے داخل ہوگا وہ اس کتاب کے عہود
کے ساتھ خوگر ہونے کی بو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔ اس لئے کہ جو شخص اپنے نفس کو

لوگوں سے زیادہ یا ان کے برابر سمجھے گا وہ ان کی مدد (اور فیض باطنی) سے محروم رہے گا۔ اس لئے کہ فیضان باطنی پانی کے مانند ہے اور پانی نیچے کی جانب پست مقامات ہی میں چلا کرتا ہے، بلند مقامات کی طرف نہیں چڑھا کرتا، اور برابر جگہ میں پانی ٹھیرا کرتا ہے۔ پس اگر اپنے آپ کو کسی کے برابر سمجھو گے تو اس کا فیض ٹھیرا رہے گا تم تک نہ پہنچ سک گا۔ اس لئے متکبر کو کسی سے بھی فیض نہیں پہنچ سکتا اور اس مرتبہ والا یعنی صاحب تواضع ہر پاس بیٹھنے والے سے فیض لے لیتا ہے۔ اس کی طرف فیض خود بخود بہہ کر چلا آتا ہے دوسرا چاہے یا نہ چاہے۔ پس اس کے مشائخ کا کوئی شمار نہیں کیا جاسکتا۔

سیدی شیخ عبدالعزیز الدبریغؒ سے کسی نے ان کے مشائخ طریق کے بابت سوال کیا (کہ کس قدر ہیں) آپ نے فرمایا کہ میں اپنے مشائخ کا شمار نہیں کرسکتا کیونکہ میں ہر شخص سے جس کے پاس بھی بیٹھ جاؤں فائدہ حاصل کرلیتا ہوں پھر آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

وکل شیخ نلت منه علما او ادبا فهو امامی حتما

ترجمہ:

جس کسی سے بھی مجھے علم وادب ہو حاصل
ہے وہی شیخ مرا اور امام کامل

پس اے عزیز! اپنے نفس کو ہر پاس بیٹھنے والے مسلمان سے کمتر مشاہدہ کر، تاکہ تو اہل تواضع میں سے ہو جائے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ تجھ کو تیرے ہمسروں پر بلندی عطا فرمائیں گے کیونکہ حدیث صحیح میں ہے "مـــن

تـواضع لله رفعه الله" کہ جو کوئی (خالصاً) للہ تواضع کرے اللہ تعالیٰ اس کو بلند فرمائیں گے۔ پس اگر تو اپنے آپ کو اپنے بھائیوں سے بڑا سمجھے گا ان کا ماتحت ہو جائے گا۔ اور اگر دل سے تو ان کو اپنے سے بڑا سمجھے گا تو ان سے بلند ہو جائے گا (مگر اس نیت سے تواضع اختیار کرنا کہ میں تواضع کے بعد دوسروں سے بلند ہو جاؤں گا تکبر ہی میں داخل ہے۔ بلندی تواضع سے اسی شخص کو نصیب ہوتی ہے جو بلندی سے بھاگتا ہو اور دل سے اپنے آپ کو کسی قابل نہ سمجھتا ہو تواضع اللہ کے لئے اسی طرح ہوسکتی ہے ورنہ بہ نیت رفعت تواضع کرنا تو حظ نفس کے لئے ہے۔)

حق تعالیٰ نے ہم کو اس واسطے اپنا بندہ نہیں بنایا کہ ہم اپنے آپ کو کسی مخلوق سے افضل سمجھا کریں البتہ بجہت شکر (اگر اپنا کوئی مرتبہ یا مقام جو حق تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے ظاہر کردیا جائے تو اس کا) مضائقہ نہیں (چنانچہ بعض عارفین سے جو بعض شطحیات ودعاوی منقول ہیں وہ یا تو کسی خاص حالت میں ان سے صادر ہوئی ہیں یا کبھی نعمت الٰہی کے اظہار کے لئے انھوں نے ایسا کیا ہے جس کا امر آیۃ " وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ " میں آیا ہے) اترانے اور عجب کرنے کے طور پر اپنے کو کچھ سمجھنا کبھی جائز نہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ شانہ نے اس سے ہم کو بہت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ارشاد فرمایا ہے کہ " **لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة مـن کبـر یعنی علیٰ اخیه المسلم** " جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا یعنی مسلمان بھائی کے مقابلہ میں وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

اورابوبکر شبلیؒ کا یہ قول تھا کہ **''ذلی عطل ذل الیھود''** میری ذلت نے تو یہود کی ذلت کو بیکار کر دیا (مطلب یہ کہ میری ذلت کے سامنے یہود کی ذلت کی بھی کچھ حقیقت نہیں میں ان سے بھی زیادہ ذلیل ہوں) اس لئے کہ ہر ذلیل کی ذلت موافق اس کے معرفت کی ہوتی ہے۔ یعنی جس قدر اس کو دوسرے کی عظمت وجلال کی معرفت ہوگی اسی قدر وہ اپنے آپ کو اس کے سامنے ذلیل سمجھے گا۔ اوراس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت شبلیؒ کو عظمت وجلال خداوندی کی معرفت اس قدر تھی کہ یہود کو ہرگز نہ تھی (پس حضرت شبلیؒ اپنے آپ کو عظمت وجلال خداوندی کے مشاہدہ کے بعد بالکل ہیچ اور نیست ونابود سمجھتے تھے اور یہود باوجود مخلوق کی آنکھوں میں ذلیل ہونے کے اپنے دل میں اپنے آپ کو اب بھی بہت کچھ سمجھتے ہیں سو واقعی) حق تعالیٰ کے سامنے شبلیؒ اپنے آپ کو اس قدر ذلیل سمجھتے تھے کہ یہود اس قدر نہ سمجھتے تھے تو ان کی ذلت یہود کی ذلت سے بہت ہی بڑی ہوئی۔ (کیونکہ یہود کو صرف دوسرے لوگ ذلیل سمجھتے ہیں اور وہ خود اپنے کو ذلیل نہیں مانتے اور حضرت شیخ اپنی نگاہ میں بہت ذلیل تھے اگر چہ مخلوق ان کی عظمت کرتی تھی)

خوب سمجھ جاؤ اور جو شخص مقام تواضع میں ہوتا ہے وہ ہر مسلمان کے لئے جو اس کے پاس آتا ہے (تعظیماً) کھڑا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اس کو اپنے سے افضل جانتا ہے اور اس کے سوا اس کے وجدان میں کچھ نہیں آتا، پھر جب حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل واحسان سے اس کو (مقام تواضع میں) کمال (اور رسوخ) عطا فرما دیتے ہیں تو پھر وہ حسب قاعدہ شریعت فاسق کے لئے کھڑا

ہونا چھوڑ دیتا ہے تا کہ اس کو زجر (وتنبیہ) ہو جائے اور شریعت مطہرہ کا ادب بھی قائم رہے کیونکہ قیام صرف علماء وصالحین کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے مشروع ہوا ہے۔ اور جو شخص علانیہ فسق کرتا ہے وہ اس سے خارج ہے اور حق تعالیٰ نے ہمیں اس شخص کے لئے کھڑے ہونے کی اجازت نہیں دی جس کے لئے کوئی بھی فضیلت حاصل نہیں ہوئی۔ (یعنی ایسے شخص کے لئے بہ نیت تعظیم کھڑا ہونا جائز نہیں۔ اگر مصلحت سے مثلاً تالیف قلب بامید اصلاح یا دفع مضرت کے لئے کھڑا ہو جائے تو وہ جائز ہوگا)

اور کامل کا نام (اصطلاح اہل طریق میں) عدل ہوتا ہے (کیونکہ وہ اعتدال کی پوری رعایت کرتا ہے) اور کنیت ابوالعیون ہوتی ہے (جس کے معنی ہیں بہت سی آنکھوں والا) کیونکہ ہر چیز کے لئے اس میں ایک خاص آنکھ ہوتی ہے کہ اس کو اسی سے دیکھتا ہے۔ مثلاً تواضع خالصاً للہ کی وجہ سے تو وہ اپنے آپ کو ہمیشہ ہر ہمنشین کے مقابلہ میں بہ نظر حقارت دیکھتا ہے۔

سیدی ابوالحسن شاذلیؒ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ مقام شکر میں اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ بادشاہوں کی نعمت ودولت کو اپنی نعمت سے کمتر نہ سمجھے۔ کسی شخص نے عرض کیا کہ یہ خیال کیونکر (صحیح) ہوسکتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ خود بادشاہ بھی تو منجملہ ان نعمتوں کے ہیں جو اس کو حق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے حق تعالیٰ اس کے دین اور آبرو اور مال کی حفاظت فرماتے ہیں اور ان سے شعائر اسلام قائم رہتے ہیں اور اگر بادشاہ نہ ہوتے تو دین کا کام سست ہو جاتا۔ (تو جب بادشاہوں کا تمام ساز وسامان

بھی تمہارے ہی واسطے ہیں تو پھر کس لئے ان کی دولت وحشمت کو اپنی نعمتوں سے زیادہ سمجھتے ہو وہ بھی تو تمہارے ہی اوپر انعام ہے)

اور ابوالقاسم جنیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ مقام تواضع اور شکر خداوندی میں اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ یہ نہ سمجھ لے کہ وہ رحمت الٰہی کا بالکل اہل نہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ اگر رحم فرمائیں تو یہ محض فضل واحسان ہے۔ اور غالبًا حضرت شیخ رضی اللہ عنہ کا اہل نہ سمجھنے سے مقصود مستحق نہ جاننا ہے۔ کیونکہ کوئی مخلوق حق تعالیٰ پر کسی بات کا استحقاق نہیں رکھتی خوب سمجھ لو۔ (کیونکہ اہل نہ سمجھنے کے اگر یہ معنی لئے جاویں کہ اپنے کو رحمت الٰہی کا بالکل قابل نہ سمجھے تو اس سے یاس ہونے کا اندیشہ ہے اور رحمت خداوندی سے ناامیدی کافر کو ہوتی ہے مسلمان ہر حالت میں رحمت خداوندی کا امیدوار اور اس کے قابل ہوتا ہے)

اور میں نے علی خواصؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ بندہ مقام تواضع کو نہیں پہنچ سکتا، جب تک کہ اس میں یہ بات نہ ہو کہ تمام موجودات میں کسی چیز سے اپنا مرتبہ عنداللہ زیادہ نہ سمجھے۔ (یعنی علی التعیین کسی سے اپنا مرتبہ اللہ کے نزدیک زیادہ نہ سمجھے) البتہ جہاں شارع علیہ السلام کی طرف سے نص صریح وارد ہو (مثلاً جن لوگوں کا جہنمی اور کافر ہونا علی التعیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا ہے ان سے بطور شکر الٰہی کے اپنے کو افضل جاننا ضرور چاہئے اور اجمالاً بدون تعین کے تو تمام کفار ومشرکین واہل بدعت وفاسقین سے اللہ تعالیٰ کا محض فضل واحسان جان کر اپنے کو افضل سمجھنے میں مضائقہ نہیں۔ یعنی

یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ اس نے مجھے کافر ومشرک وبدعتی فاسق نہیں بنایا اور تعیین کر کے یہ نہ سمجھے کہ میں فلاں کافر یا فلاں بدعتی یا فلاں فاسق سے افضل ہوں) بلکہ اپنے کو تمام زمینوں سے نیچے اتارنا چاہئے جو کہ ارواح عارفین کی قرارگاہ ہے۔ اور جب تک بندہ اپنے لئے کوئی بلند مرتبہ سمجھتا رہے کہ اس سے تنزل کر کے لوگوں سے ملتا ہو وہ متکبرین میں سے ہے وہ اگر تواضع بھی کرتا ہے جب بھی اپنے آپ کو ان لوگوں سے بڑھ کر سمجھتا ہے جن کے سامنے وہ تواضع کرتا ہے کیونکہ اس نے اپنے واسطے ایک مقام ان سے اوپر سمجھ رکھا ہے جس سے تنزل کر کے وہ لوگوں سے تواضع کا برتاؤ کرتا ہے۔ اور عارفین کی تواضع ایسی نہیں ہوا کرتی۔

اور میں نے ان کو بارہا یہ کہتے سنا کہ مقام تواضع کے ساتھ سچے طور پر خوگر ہوجانے والے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ تمام مخلوق کی اذیت کو برداشت کرے اور تکلیف کا مقابلہ انتقام سے نہ کرے (اور ایسا برتاؤ کرے) جیسے غلام اپنے آقا کے ساتھ کرتا ہے۔ اسی بات نے فقراء کو مخلوق کی تکالیف برداشت کرنے پر دلیر بنا رکھا ہے ورنہ اگر وہ اپنے کو مخلوق سے بڑا یا ان کے برابر سمجھتے تو اسی طرح مقابلہ کرتے جیسا کہ مخلوق کا برتاؤ ہوتا (مگر وہ تو اپنے آپ کو سب کا غلام سمجھتے ہیں)اور اے عزیز غلام کی حالت میں تم ذرا غور کرو کہ جب اس کو اپنے آقا کا رتبہ معلوم ہوجاتا ہے جس نے اس کو خرید لیا ہے، اور اس کی قیمت تول کر دی ہے تو آقا اس کو گالی بھی دے لیتا ہے اور مارتا بھی ہے مگر وہ کیسا خاموش سر جھکائے کھڑا رہتا ہے۔ (یہی حال متواضع کا ہونا چاہئے)

اور سچے متواضع کی یہ بھی علامت ہے جب کوئی شخص اس سے کوئی چیز مانگے تو اس سے انکار نہ کرے (البتہ کوئی شرعی مصلحت ہو تو خیر) جیسا کہ غلام اپنے آقا کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ نیز ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کے دل میں کبھی یہ بھی خطرہ نہ آوے کہ اس کی تعظیم کے واسطے کوئی کھڑا ہوگا یا وہ قیام کا مستحق ہے جیسا کہ غلام اپنے آقا سے اس کی امید تو کیا وہم بھی نہیں کرسکتا۔

نیز ایک علامت یہ بھی ہے کہ اگر کوئی اس کی ہجو (یعنی برائی) کرے اور اس کو عیوب کے ساتھ متہم کرے تو اس سے متأثر (یعنی رنجیدہ وغضبناک) نہ ہو بلکہ (دل میں یوں کہے) کہ یہ مذمت واتہام بجا ہے۔ میں ایسا ہی ہوں (بلکہ اس سے بھی بدتر ہوں کیونکہ اصلی عیوب کرنے والے کو بھی خبر نہیں) اور یہ شخص اگر مجھے برا بھلا کہے تو یہ اس کا اہل ہے۔ (کیونکہ مجھ سے افضل ہے) البتہ اگر شرعی مصلحت اس کے خلاف ہو (تو دل سے تو اپنے کو ان عیوب کے ساتھ متہم ہی سمجھے مگر زبان سے اپنی برأت ظاہر کردے)

اور سچے متواضع کی یہ بھی علامت ہے کہ مسجد میں تنہا داخل ہونے کی جرأت نہ کرے بلکہ لوگوں کے ساتھ داخل ہو۔ اور جب مسجد میں آئے اور اس میں کسی کو نہ پاوے تو دروازے پر کھڑا رہے یہاں تک کہ کوئی دوسرا اس میں داخل ہو جائے کہ اس میں بہت سے اسرار (اور بھید ہیں) جن کو اللہ والے ہی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اپنی بعض تصنیفات میں ہم نے ان کو واضح بھی کیا ہے۔ **فللہ الحمد**

نیز سچے متواضع کی یہ بھی علامت ہے کہ جو لوگ اس مجلس میں بیٹھنے دیں یا سلام کا جواب دے دیں یا خود اس کو سلام کریں اس کا احسان مند ہو۔ توضیح

اس کی یہ ہے کہ صوفی اپنے سلوک میں ایسے مقام پر پہنچتا ہے جہاں اس کو اپنے اندر بہت سے عیوب نظر آتے ہیں اور اپنی خطائیں اور گناہ ایسے کھلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا ان کی سب کو اطلاع ہے اس وقت اپنے آپ کو وہ ایسا فاسق سمجھتا ہے جس کا فسق کھلم کھلا ظاہر ہے وہ جواب سلام کے بھی لائق اپنے آپ کو نہیں سمجھتا کیونکہ (اس کی نظر میں) اپنے اندر گناہ بہت معلوم ہوتے ہیں اور وہ اس کے سامنے ایسے ظاہر اور واضح ہوتے ہیں گویا کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہیں اس کے سوا (اس کو اپنے اندر) کچھ مشاہدہ نہیں ہوتا۔ خصوصاً اگر غضب وجلال خداوندی پر نظر کر کے ان گناہوں کی ہیبت اس کے دل میں زیادہ ہوگئی ہو یا وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کے نزدیک باطنی گناہ مرتبہ میں ظاہری گناہوں کے برابر ہوگئے ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ شانہ تو سب کو جانتے ہیں (ایسی حالت میں تو وہ اپنے آپ کو کسی قابل بھی نہ سمجھے گا)

نیز سچے متواضع کی یہ بھی علامت ہے کہ لوگ جس قدر بھی اپنے واسطے مراتب کمال کا دعویٰ کریں یہ سب کو اکثر تسلیم کرلیا کرے اور (دل میں) یوں سمجھے کہ زمین والے آسمان والوں کی باتیں نہیں جان سکتے۔ یعنی کم درجہ والے سے بڑے درجہ والوں کے حالات کا احاطہ دشوار ہے۔ (پس اگر مجھے ان لوگوں کے حالات کا علم نہ ہوا تو کچھ بعید نہیں کیونکہ میں ان سے کمتر ہوں) پس ہر بندہ کو ان علامات کے ساتھ اپنے نفس کو جانچنا چاہئے۔ اگر ان علامات کا خوگر اپنے نفس کو پاوے تو شکر الٰہی بجالائے ورنہ تکبر سے درگاہ خداوندی میں (سچے دل سے) توبہ کرنا چاہئے۔ اس وقت یہ بات جو کبھی کبھی اس کی

زبان سے نکل جاتی ہ کہ ہم تو لوگوں کی خاک پا کے برابر بھی نہیں جھوٹ اور غلط ثابت ہوگی اس کو خوب سمجھ لواور اس پر عمل کرو اس کی برکت کا مشاہدہ کرلوگے اور اللہ تم کو ہدایت کرے۔ (الدر المنضود ص۴۴)

اخیر میں حضرت العلامہ عبدالوھاب شعرانیؒ کی کتاب انوار القدسیہ سے عبدیت کی عظمت کے متعلق چند سطر نقل کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے:۔

جاننا چاہئے کہ خالص عبودیت کے سامنے تمام مقامات ومدارج ومراتب اور منازل ہیچ ہیں، پس تقرب الی اللہ کے واسطے راہ عبودیت سے زیادہ کوئی آسان راستہ نہیں ہے کیونکہ راہ عبودیت محض عجز وانکسار، خضوع وخشوع وتواضع وفروتنی اور نفس کشی کا راستہ ہے۔

(انوار قدسیہ للعلامہ شعرانیؒ منقول از اقوال سلف حصہ دوم تذکرہ علامہ شعرانیؒ)

حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ خلیفہ حضرت حکیم الامتؒ کے افادات حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم نے معرفت الٰہیہ کے نام سے مرتب فرمایا ہے اس سے چند باتیں نقل کرنے کی سعادت حاصل کرر ہا ہوں۔

فقیری نام ہے اپنے کو مٹا دینے کا

مولانا سید سلیمان صاحبؒ نے ایک بار حضرت مرشد پاک تھانویؒ سے عرض کیا کہ حضرت فقیری کس چیز کا نام ہے؟ ارشاد فرمایا کہ فقیری نام ہے اپنے کو مٹا دینے کا۔ اس بات کو سن کر حضرت سید صاحبؒ پر گریہ طاری ہوگیا،

تمام سلوک اور تصوف کا حاصل یہی ہے کہ اپنے کو مٹا دیا جائے ؎

منتہائے سیر سالک شد فنا نیستی از خود بود عین البقا

مٹا دینے کا یہ مطلب نہیں کہ خود کشی کر جائے، مٹانے کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے تمام ارادوں کو، اپنی تمام خواہشات کو مرضیات اور ارادات الٰہیہ کا غلام اور تابع بنا دیا جاوے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں "لا یؤمن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ" تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہوسکتا، جب تک اپنی تمام خواہشات کو میرے لائے ہوئے احکام خداوندی کے تابع نہ کردے۔ اسی تابع کردینے کا نام فنائیت ہے۔

آگے یوں رقمطراز ہیں۔

بغیر کسی پیر کامل کی صحبت کے یہ دولت میسر نہیں ہوتی

عادت الٰہیہ یہی ہے کہ بغیر کسی پیر کامل کی صحبت کے یہ دولت میسر نہیں ہوتی۔ حضرات صحابہؓ کو یہ دولت یعنی فنائیت کیسے حاصل ہوئی تھی، اس کا جواب خود لفظ صحابی میں موجود ہے، صحابی کا لفظ سن کر ذہن منتقل ہوجاتا ہے کہ صحبت یافتۂ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسی کو حضرت عارف رومی فرماتے ہیں ؎

نفس نتواں کشت الاظل پیر دامن آں نفس کش راسخت گیر

حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ نفس نہیں فنا ہوتا ہے مگر پیر کامل کے سائے سے۔ پس اس نفس کش کا دامن مضبوط پکڑلو۔ (معرفت الٰہیہ ص ۳۶۷)

حضرت بایزید بسطامیؒ کے عاجزی وتواضع کا واقعہ

حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ سے یہ واقعہ متعدد بار سنا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ اپنے مریدین کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ اتفاق سے کسی نے اوپر سے ان کے سر پر راکھ ڈال دیا۔ جس کی وجہ سے مرید برہم ہوئے، اور سخت باتیں کہنے لگے۔ تو آپ نے انہیں روکا اور فرمایا کہ ان کو سخت باتیں نہ کہو اس لئے کہ جو سر آگ کا مستحق ہو اگر راکھ پر اکتفاء کرلیا جائے تو معاملہ آسان ہے۔

حضرتؒ نے ایک مرتبہ جب یہ واقعہ سنایا تو اخیر جملہ کے اثر سے چیخ نکل گئی۔

دوستوں کی خطاولغزش کو معاف کردینا

حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ ''اسوۃ الصالحین'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

دوستوں کی خطاولغزش کو معاف کردینا صالحین کا طریقہ اور ان کا اعلیٰ خلق ہے۔ نادان اور کمینہ شخص سے عفوودرگذر وقوع میں نہیں آتا۔ یہ اسی لئے کہ معاف کردینا غایت بردباری ہے۔ ایک بات یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ جو مشہور ہے کہ باہم تین دن سے زیادہ رنج ومقاطعہ نہ رکھے مطلق نہیں ہے۔ بلکہ اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اپنے دین ودنیا کی سلامتی اس سے ترک تعلق ہی میں دیکھے تو تین دن سے زیادہ بلکہ ساری عمر اس سے نہ ملے جائز ہے۔ اسی طرح منقول ہے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے۔ چنانچہ ان میں سے

بعضوں نے بعض سے تعلقات اور دوستی منقطع کرلی تھی، لیکن نیت اس میں اچھی تھی یعنی سلامت دین۔ البتہ اپنے کسی بھائی مسلمان سے بغض وکینہ رکھنا جائز نہیں۔

فائدہ: یعنی جس صورت میں دنیا کی مضرت کا یقین ہو اس سے تعلق منقطع کرلے تو یہ جائز ہے۔ اور اس سے کینہ نہ رکھے اور اگر اس سے بددینی کی وجہ سے ملنا جلنا ترک کیا ہے تو بغض وکینہ بھی رکھنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **الحب للہ والبغض للہ** کو اسلام کا شعبہ فرمایا ہے۔ (اسوۃ الصالحین)

افادہ از حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ

مشہور ہے کہ باہم تین دن سے زیادہ رنج ومقاطعہ نہ رکھے یہ مطلق نہیں ہے۔ احقر عرض کرتا ہے کہ حضرت والا نوراللہ مرقدہ نے تحقیق مسئلہ کے سلسلہ میں حاشیہ پر ایک حدیث اور اس کے تحت اقوال علماء کو تحریر فرمایا ہے، ناظرین کرام کے افادہ کے لئے ہم یہاں وہ عبارت اور اس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایحل للرجل ان یھجر اخاہ ای المسلم واعم من اخوۃ

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنے (مسلمان) بھائی سے تین دن سے زیادہ مقاطعہ رکھے۔ یہاں اخوت سے مراد عام ہے، چاہے قرابت

القرابة والصحابة قال
الطيبي وتخصيصه
بالذكر اشعار بالعلية
والمراد به اخوة اسلام
ويفهم منه انه ان خالف
هذه الشريطة وقطع هذه
الرابطة جاز هجرانه فوق
ثلاثة. انتهى
وفيه ان حينئذ يجب
هجرانه وقوله (فوق
ثلاث ليال) اى بايامها
وانما جازالهجر فى
ثلاث ومادونه لما جبل
عليه الأدمى من الغضب
فسومح بذالك القدر
ليرجع فيها ويزول
ذالك الغرض ذكره
السيوطى.

کی ہو یا رفاقت کی۔ علامہ طیبیؒ فرماتے
ہیں کہ حدیث میں اس موقع پر اخوۃ
کا لفظ لانے میں علت حرمت کی جانب
بھی اشارہ فرمانا مقصود ہے اوراس سے
مراد اخوت اسلام ہے، اوراس سے یہ
بھی سمجھ میں آیا کہ اگر یہ شرط نہ پائی جائے
یعنی رابطہ اسلامی ہی منقطع ہوتو اس سے
تین دن سے زیادہ بھی مقاطعہ جائز ہے۔
(میں کہتا ہوں) ایسے شخص سے تو
مقاطعہ جائز کیا واجب ہے، اورحدیث
میں ثلاث لیال جو فرمایا تو مراد اس سے
رات دن سمیت ہے اور یہ ہجران تین
دن یا اس سے کم تک اس لئے جائز
ہے کہ غصہ میں مغضوب علیہ سے مقاطعہ
انسانی فطرت ہے اس لئے اس کی
اجازت بھی دی، اور ایام مقرر کر کے
شریعت نے بھی یہ چاہا کہ بس اب اپنے
سابق حال پرلوٹ آوے۔ اس کو علامہ
سیوطیؒ نے ذکر کیا۔

قال الخطابى رخص
للمسلم ان يغضب على
اخيه ثلاث ليال لقلته
ولايجوز فوقها الااذا كان
الهجران فى حق من
حقوق الله تعالىٰ فيجوز
فوق ذالك.

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ مسلم کو اپنے
بھائی پر تین دن اس لئے غصہ رہنے کی
اجازت دی کہ یہ کم ہیں اوراس سے
زیادہ کی اجازت نہیں دی الا یہ کہ یہ
ہجران حقوق اللہ میں سے کسی حق سے
متعلق ہوتو اس وقت تین دن سے
زیادہ بھی جائز ہے۔

قال ابن عبدالبر هذا
مخصوص بحديث
كعب ابن مالك
ورفيقيه حيث امر صلى
الله عليه وسلم اصحابه
بهجرهم يعنى زيادة علىٰ
ثلاثة الىٰ ان بلغ خمسين
يوما قال واجمع العلماء
على ان من خاف مكالمة
من احد وصلته مايفسد
عليه دينه اويدخل مضرة
فى دنيا يجوز له مجانبته

علامہ ابن البرؒ فرماتے ہیں کہ اس
حدیث سے تین ہی دن کے مقاطعہ
کا جو جواز معلوم ہوتا ہے وہ کعب ابن
مالکؓ اوران کے دونوں ساتھیوں والی
حدیث کی وجہ سے مخصوص ہوگیا ہے
کہ اس میں تین دن نہیں بلکہ پچاس دن
تک آپ نے ان سے مقاطعہ جائز رکھا
تھا۔ نیز فرماتے ہیں کہ علمائکا اتفاق ہے
کہ جو شخص کسی سے بات چیت کرنے
میں یا اس سے تعلقات رکھنے میں اپنے
دین کو برباد ہوتا ہوا دیکھے یا دنیوی ہی
ضرر کا احتمال پاوے تو اس کے لئے

وبعده ورب هجر جميل خير من مخالطة موذية.

ایسے شخص سے دور رہنے کی گنجائش ہے، اس لئے کہ بہت سی جدائی جو خوبصورتی کے ساتھ ہو ایذا دہ اور نقصان رساں اختلاط سے کہیں بہتر ہوا کرتی ہے۔

وفی النهاية يريد به الهجر ضدالوصل يعنى فيمايكون بين المسلمين من عتب وموجدة اوتقصير يقع فى حقوق العشر ة والصحبة دون ماكان من ذالک فى جانب الدين فان هجرة اهل الهواء والبدع واجبة على مر الاوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع الى الحق فانه صلى الله عليه وسلم لماخاف على كعب ابن مالک واصحابه النفاق

اورنہایہ میں ہے کہ ہجران سے مراد وصل کی ضد ہے یعنی وہ چیزیں جو مسلمانوں میں ہوا کرتی ہیں مثلا باہم کچھ مخالفت یاقدرے ناراضگی یاحقوق معاشرت اور صحبت میں کوتاہی وغیرہ، نہ وہ اعراض ومخالفت جس کا منشاء دین ہو، اس لئے کہ اہل اہواء اور اہل بدعت سے تعلقات نہ رکھنا تو واجب ہے چاہے جتنے زمانہ کے لئے ہو، جب تک کہ وہ اپنی بدعت سے توبہ نہ کرلے اورحق کی جانب رجوع نہ کرلے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ غزوہ تبوک سے تخلف کے موقع پر کعب ابن مالکؓ اوران کے ساتھیوں پر نفاق کااندیشہ فرمایا تو پچاس دن تک ان سے

حين تخلفوا عن غزو ة التبوک امر بهجرانهم خمسين يوما وقد هجر نساؤه شهرا.

مقاطعہ فرمایا اور سب صحابہ کو حکم فرمایا کہ ان سے تعلق نہ رکھیں۔ اسی طرح سے آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک مہینہ کے لئے علیحدگی فرمائی۔

وهجرت عائشة ابن الزبير مدة و هجر جماعة من الصحابة جماعة منهم وماتو متهاجرين ولعل احد الامرين منسوخ بالأخر.

اسی طرح حضرت عائشہؓ نے عبداللہ بن زبیر سے عرصہ دراز تک تعلق نہیں رکھا اور حضرات صحابہ میں سے بعض نے بعض سے ایسا تعلق ختم کیا کہ اسی حال میں دنیا سے تشریف لے گئے۔ (اب مذکورہ بالا حدیث اور ان تمام معاملات میں تعرض معلوم ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ) شاید ان دو مختلف امور میں سے بعض بعض کے لئے ناسخ ہو۔ (یعنی تین دن کا قول پہلے تھا بعد میں منسوخ ہوگیا۔)

قلت الاظهر ان يحمل نحو هذا الحديث على المتواخيين او المتساوين بخلاف الوالد مع الولد والاستاذ مع تلميذه وعليه يحمل

صاحب نہایہ فرماتے ہی کہ میں کہتا ہوں کہ ظاہر ہے کہ اس جیسی حدیث کو اس تعلق پرمحمول کیا جائے جو دو برابر کے دوستوں میں ہوا کرتا ہے، باقی اس میں وہ تعلق داخل نہیں جس میں تربیت بھی ملحوظ ہو جیسے لڑکے اور باپ کا تعلق یا شاگرد استاد کا

ما وقع من السلف والخلف لبعض الخلف ويمكن ان يقال الهجرة المحرمة انما تكون مع العداوة و الشحناء كما يدل عليه الحديث الذی يليه فغيرها امامباح او خلاف الاولیٰ . (مرقاة ج۴ص۷۶)

تعلق یا پیر و مرید کا تعلق۔ چنانچہ اسلاف اور ان کے بعد اخلاف میں بھی جو ہجران کے واقعات پائے گئے وہ بھی اسی قبیل سے تھے، اس لئے حدیث ان کو شامل نہیں اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہجرت قطع تعلق جو حرام ہے وہ ہے کہ جو عداوت اور کینہ کے ساتھ ہو، جیسا کہ اگلی حدیث اس پر دال ہے اس کے علاوہ جو ہجرت ہو گی وہ یا تو مباح ہوگی یا خلاف اولیٰ۔

(آداب الصالحین ترجمہ اسوۃ الصالحین ص ۱۱۷)

اب عفو و درگذر کرنے کی ایک دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

عن عائشة قالت قال رسول الله صلی الله عليه وسلم اقيلوا ذوی الهيئات عثراتهم الاالحدود.

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نیک لوگوں سے ان کی لغزشوں کو معاف کردیا کرو سوائے حدود کے۔

اس حدیث کے تحت حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ یہ ارقام فرماتے ہیں۔

قال فی الدرجات قال الشافعیؒ ذووالهيئة من لم تظهر منهم ريبة وفی النهاية من لا يعرفون بشر فينزل احدهم زلة' ای تجاوزوا عن ذوی الهيئات الحسنة وهم من لزموا هيئة واحدة وسمتا واحداخيرا فلاتختلف حالاتهم بان تنقلهم من كذا الی كذا هيئة.

درجات میں کہا ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا ذوی الھیئات وہ لوگ ہیں جن سے کوئی شک وشبہ کی چیز ظاہر نہ ہو اور نہایہ میں ہے وہ لوگ کسی برائی سے موسوم نہ کئے گئے ہوں، ان سے کسی لغزش کا صدور ہو جائے تو ان نیک لوگوں سے درگذر کرو، اور نیک وہ ہیں جو ایک عمدہ حالت وخصلت پر مستقیم ہوئے۔ اور ان کے حالات میں تغیر وتبدل پیدا نہ ہوں۔

وقال البيضاوی ذوی الهيئات اصحاب الذوات والخصال الحميدة او ذوو الوجوه من الناس' والعثرات صغار الذنوب وما يندرعنهم من خطايا فالاستثناء فی قوله الاالحدود منقطع اوالذنوب مطلقا وبالحدود ما يوجبها فيكون متصلا والخطاب مع

صاحب بیضاویؒ نے فرمایا ذوی الھیئات اچھے اوصاف اور بہتر صفات والے ہیں، یا لوگوں میں سے صاحب مرتبہ لوگ ہیں اور عثرات چھوٹے گناہوں کو کہتے ہیں اور جو ایسے لوگوں سے صادر ہوئے ہوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں الا الحدود استثناء منقطع ہے یا عثرات سے مطلق گناہ مراد ہے، اور حدود سے وہ گناہ مراد

الائمة وغيرهم ممن يستحق مؤاخذة وتاديبا عليها. (بذل المجهود ص ۴۴۰ ج ۱۲)

ہے جو موجب حد ہو تو اس صورت میں استثناء متصل مراد ہوگا اور خطاب ائمہ اور ان کے علاوہ کو جو ان پر مؤاخذہ اور تادیب کے مستحق ہوں۔

قصور معاف کرنے سے عزت بڑھتی ہے

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم مانقصت صدقة من مال ومازاد الله عبدا بعفو الا عزا وماتواضع احد لله الا رفعه الله. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ دینا مال میں کمی نہیں کرتا، اور جو شخص کسی کی خطا معاف کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے نیز جو شخص محض اللہ کے لئے تواضع وعاجزی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔

تشریح: یہاں تین باتیں بتائی جارہی ہیں ایک تو یہ کہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، اگرچہ ظاہری طور پر مال میں کمی ونقصان کا سبب ہوتا ہے۔ مگر حقیقت میں صدقہ وخیرات مال میں زیادتی کا سبب ہوتا ہے، بایں طور کہ صدقہ وخیرات کرنے والے کے مال میں برکت عطا فرمائی جاتی ہے، وہ اور اس کا مال آفت وبلا سے محفوظ رہتا ہے، اور اس کے نامۂ

اعمال میں ثواب کی زیادتی ہوتی ہے۔ بلکہ دنیا میں بھی اسے اس طرح نعم البدل فرمایا جاتا ہے کہ اس کا مال بڑھتا رہتا ہے۔

دوسری بات یہ بیان فرمائی گئی کہ جو شخص کسی دوسرے کے قصور کو باوجود بدلہ لینے پر قادر ہونے کے خطا سے درگذر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کی عزت بڑھاتا ہے۔ چنانچہ ایک عارف کا قول منقول ہے کہ ”کوئی بھی انتقام عفو ودرگذر کے برابر نہیں“۔

تیسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ جو شخص کسی غرض ومنفعت کی خاطر نہیں بلکہ صرف اللہ جل شانہ کی رضا وخوشنودی اور اس کا قرب حاصل کرنے کے جذبہ سے تواضع وعاجزی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔

ف: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریف لوگوں کی خطاؤں کو معاف کرنا چاہئے، ان کے پیچھے نہ پڑنا چاہئے اور نہ ہی زبان وقلم سے ان کا افشاء کرنا چاہئے۔ اور اگر کوئی شریف وذی وجاہت ہو تو ضرور معاف کرنا چاہئے۔ اب اگر کوئی بدبخت بزرگوں کی خطا ولغزش ہی کے درپے ہو جائے تو یہ بہت برا ہے۔ اس لئے کہ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ ”خطائے بزرگاں گرفتن خطا ست“ یعنی بزرگوں کی خطا کو پکڑنا یہ مستقل خطا ہے۔ ہاں اگر کوئی بات خلاف شرع ہو تو بڑے کو بھی ادب سے مطلع کیا جاسکتا ہے۔

خلاصۂ کلام: پس اے مسلمان مردو اور عورتو! اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ سے عفو ودرگذر کی درخواست کیا کرو اس لئے کہ اللہ

تعالیٰ بہت ہی کرم اور معاف کرنے والے ہیں۔ اسی طرح بندوں کے حق میں بھی قصور وکوتاہی ہو جائے تو اللہ سے توبہ واستغفار کے ساتھ صاحب حق سے بھی معافی مانگ لیا کرو۔ اوراس کوکسی طرح راضی کیا کرواور اگر تمہارے حق میں کوئی خواہ تم سے چھوٹا ہو تقصیر کیا کرے تو عفوودرگذر کر دیا کرو۔ اور اگر وہ معافی مانگے تو ضرور معاف کردیا کرو، اسی طرح اگر تمہارے کسی بڑے مثلا ماں باپ' استاذ وغیرہ سے تمہارے حق کی ادائیگی میں کوئی چوک ہو جائے تو بجائے ناگواری کے اظہار کے دل سے معاف کر دیا کرو۔ بلکہ ایسا برتاؤ کرو کہ وہ بڑا شخص تم سے مطمئن ہو جائے کہ اس پر ناگواری کا اثر ہی نہیں ہوا۔ اس لئے کہ ان کی محبت وعظمت کا تقاضا یہی ہے۔ اسی کو حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

ہے جان محبت اگر وہ خفا ہوں — اگر ہم خفا ہوں محبت نہیں ہے

بلکہ اگر کوئی بڑا تم سے کسی کی سفارش کرے تو تم معاف کردیا کرو۔ ان کی بزرگی اور بڑائی کا یہی حق ہے، جس کی ادائیگی ضروری ہے، حتیٰ کہ اگر وہ کسی چھوٹے کی خطا کو معاف کرنے کو فرمائیں تا ہم معاف کر دیا کرو۔ ہرگز یہ نہ کہو کہ یہ ہم سے کمتر ہے چھوٹا ہے ہم اس سے برتر اور بڑے ہیں کیسے معاف کریں، اس لئے کہ یہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ نے جب جملہ ملائکہ اور ابلیس سے سیدنا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا امر فرمایا تو سب نے بلا توقف سجدہ کرلیا، مگر ابلیس نے عار واستکبار کی وجہ سے سجدہ سے انکار کیا، اور دلیل یہ بیان کی کہ "اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ" میں آدم سے بہتر

ہوں، اس لئے کہ آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور ان کو (یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو) مٹی سے۔

آپ ﷺ کا حضرت علقمہؓ کی ماں سے معاف کرنے کی سفارش کرنا

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی گذرے ہیں جو روزہ نماز کے بہت پابند تھے، جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو ان کے منہ سے باوجود تلقین کے کلمۂ شہادت جاری نہ ہو رہا تھا، حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی بھیج کر اس کی اطلاع کرائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ والدین زندہ ہیں یا نہیں؟ تو معلوم ہوا کہ صرف والدہ باحیات ہیں اور وہ علقمہ سے ناراض ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علقمہؓ کی والدہ کو اطلاع دلائی کہ میں تم سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں، تم میرے پاس آتی ہو یا میں خود تمہارے پاس آؤں؟ علقمہؓ کی بوڑھی ماں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہیں آپ کو تکلیف دینا نہیں چاہتی ہوں بلکہ میں خود ہی حاضر ہوتی ہوں، چنانچہ علقمہؓ کی ماں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علقمہؓ کے متعلق کچھ دریافت کیا تو بوڑھی نے کہا علقمہ نہایت ہی نیک آدمی ہے لیکن وہ اپنی بیوی کے مقابلے میں ہمیشہ میری نافرمانی کرتا ہے، اس لئے میں اس سے ناراض ہوں، آپ نے فرمایا کہ اگر تو اس کی خطا کو معاف کر دے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے، لیکن اس کی بوڑھی ماں نے انکار کیا، تب آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کرو اور
علقمہ کو جلا دو، بوڑھی یہ سن کر گھبرا گئی اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
دریافت کیا کہ میرے بچے کو آگ میں جلایا جائے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا،
ہاں اللہ کے عذاب کے مقابلہ میں ہمارا عذاب ہلکا ہے۔ خدا کی قسم جب تک تو
اس سے ناراض ہے نہ اس کی نماز قبول، نہ صدقہ، تو بوڑھی نے کہا میں آپ کو
اور تمام لوگوں کو گواہ بناتی ہوں کہ میں نے علقمہ کو معاف کر دیا، آپ نے لوگوں
کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا دیکھو علقمہ کی زبان پر کلمہ جاری ہوا یا نہیں؟
لوگوں نے آ کر بتایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! علقمہ کی زبان پر کلمہ جاری ہو
گیا اور کلمہ شہادت کے ساتھ ان کا انتقال ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علقمہؓ
کے غسل وکفن کا حکم دیا اور خود جنازے میں تشریف لے گئے، علقمہؓ کے دفن
کے بعد فرمایا کہ مہاجر وانصار میں سے جس نے بھی اپنی ماں کی نافرمانی کی،
اس کو تکلیف دی تو اس پر اللہ اور اس کے رسول اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کا جادوگر کو معاف فرمانا

حضرت شیخ نصیرالدین محمد اودھی اپنے پیر کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں
کہ ایک بار حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کو سخت مرض لاحق ہوا۔ آپ نے
اپنے مرید حضرت نظام الدین اولیاء اور فرزند شیخ بدرالدین سلیمان کو مشغولی
حق کے واسطے اشارہ فرمایا۔ یہ لوگ حکم کے مطابق مشغولی حق ہوئے۔ اسی
رات کو شیخ بدرالدین سلیمان نے خواب میں دیکھا کہ حضرت بابا فریدالدین

گنج شکرؒ پر شہاب الدین جادوگر کے لڑکے نے جادو کیا ہے، چنانچہ اس کا مداوا
کیا گیا۔ اور وہ بفضل خدا صحتیاب ہوئے۔ اجودھن کے حاکم کو یہ خبر پہنچی تو
وہ بہت برہم ہوا اس نے شہاب الدین ساحر کے بیٹے کو پابہ زنجیر کر کے
حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں بھیج دیا کہ یہ شخص واجب القتل ہے اگر حکم
ہو تو اس کی گردن اڑا دوں؟ شیخ نے جواب دیا کہ جب شافی حقیقی نے مجھے
صحت بخش دی تو میں اس کے شکرانہ میں اس کا گناہ معاف کرتا ہوں، آپ بھی
اس کی خطا بخش دیں۔

ابلیس نہ تو عالم و عارف تھا اور نہ عابد ہی تھا

علماء نے فرمایا کہ اللہ کی صریح نص کے مقابلہ میں پہلا شخص ہے جس نے
قیاس سے کام لیا۔ ظاہر ہے کہ ابلیس نے کیسی نامعقول حرکت کی جس کی وجہ
سے مردود اور راندہ درگاہ ہوا۔ مگر افسوس کہ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ شیطان
عارف تھا، عالم تھا، عابد بھی تھا محض عاشق نہ تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر عالم ہوتا
عارف ہوتا تو کبھی بھی ایسی جہالت کی بات نہ کرتا۔ اس لئے کہ جو علم حق کی
طرف رہبری نہ کرے وہ جہالت ہے۔ چنانچہ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

سعدی بشو لوح دل از نقش غیر حق　　علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالتست

یعنی اے سعدی اپنے لوح دل کو غیر کے نقش سے دھوڈالو اس لئے کہ جو
علم حق کی طرف رہنمائی نہ کرے وہ جہالت ہے۔

اس کے علاوہ یہ حقیقت ہے کہ صحیح علم و معرفت کا ثمرہ اللہ کا خوف وخشیت

ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس کو علم ومعرفت کا مقام حاصل تھا، مگر وہ اپنے متعلق یہ فرما رہے ہیں ”**انی لاعلمھم باللہ و اشد ھم خشیۃ**“ (مشکوٰۃ ص ۲۷) یعنی مجھے سب سے زیادہ اللہ کا علم ہے اور سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں۔

اسی طرح جیسے ابلیس عارف وعالم نہ تھا عابد بھی نہ تھا۔ اس لئے کہ عبادت اس عمل کو کہتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔ اور شیطان نے ایک سجدہ بھی اللہ کی رضا کے لئے نہ کیا تھا، بلکہ خلافت ارضی کی ہوس میں بکثرت سجدے کئے، مگر اللہ کے نزدیک ان سجدوں کی کوئی وقعت نہیں جس سے مقصود اللہ کی رضا نہ ہو جیسا کہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ اپنی تفسیر میں ”اَبیٰ وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ“ کے تحت یوں رقمطراز ہیں۔

جنات چند ہزار سال سے زمین میں متصرف تھے اور آسمان پر بھی جاتے تھے، جب ان ان کا فساد اور خون ریزی بڑھی تو ملائکہ نے بحکم الٰہی بعض کو قتل کیا اور بعض کو جنگل اور پہاڑ اور جزائر میں منتشر کر دیا۔ اور ابلیس ان میں بظاہر عالم وعابد تھا، اس نے جنات کے فساد سے اپنی بے لوثی ظاہر کی، فرشتوں کی سفارش سے یہ بچ گیا اور انھیں میں رہنے لگا، اور اس طمع میں کہ تمام جنات کی جگہ اب صرف میں متصرف بنایا جاؤں عبادت میں بہت کوشش کرتا رہا۔ اور خلافت ارض کا خیال پکاتا رہا۔ جب حکم الٰہی حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت خلافت کا ظاہر ہوا تو ابلیس مایوس ہوا اور عبادت ریائی کے رائیگاں جانے پر جوش حسد میں سب کچھ کیا اور ملعون ہوا۔ یعنی علم الٰہی میں

پہلے ہی کافر تھا۔ اوروں کو گو اب ظاہر ہوا، یا یوں کہو کہ اب کافر ہو گیا۔ اس وجہ سے کہ حکم الٰہی کا بوجہ تکبر انکار کیا اور حکم الٰہی کو خلاف حکمت ومصلحت اور موجب عار سمجھا، یہ نہیں کہ صرف سجدہ ہی نہیں کیا۔ (تفسیر شیخ الہند ص ۸)

ف: اسی لئے حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ شیطان اگر ایک سجدہ بھی اللہ کے لئے کئے ہوتا تو راندہ درگاہ نہ ہوتا، اس لئے کہ قبولیت اعمال ونجات اخروی کے لئے عمل میں اخلاص کی ضرورت ہے۔ پس اگر عمل میں اخلاص ہوگا اور سنت کے مطابق ہوگا تو آدمی اللہ کی رضا سے ہمکنار ہوگا اور اللہ کی ناراضی سے نجات پائے گا۔

غور کریں کہ نص کے سامنے عقل وقیاس کی حقیقت ہی کیا اس کی تو یہ مثال ہے جیسا کہ اس شعر میں کسی بزرگ نے یہ بیان فرمایا ہے ؎

مصطفیٰ اندر جہاں وانگہ کسے گوید زعقل   آفتاب اندر جہاں وانگہ کسے جوید سہائے

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ہوں اور آدمی عقل سے بات کرے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے سورج دنیا میں ہو اور سہا ستارہ کوئی تلاش کرے۔

ایک نان بائی کی دانائی کا واقعہ

اس موقع پر حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ ایک نان بائی کا یہ واقعہ برابر سناتے تھے:

کہ ایک نان بائی رات میں اچھی تازی روٹیاں بیچا کرتے تھے تو کچھ لوگ ان کو کھوٹا سکہ دے کر اچھی روٹیاں لیتے تھے، جب دوسرے لوگوں کو یہ

بات معلوم ہوئی تو ان سے کہا کہ آپ کو معلوم بھی ہے کہ لوگ کھوٹا سکہ دے کر آپ سے اچھی روٹیاں لے جاتے ہیں تو انھوں نے کہا مجھے معلوم ہے مگر میں اس لئے گوارہ کرتا ہوں کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ سے کہوں گا کہ میں آپ کے بندوں سے کھوٹے سکے لے کر اچھی روٹیاں دیتا تھا تو اے اللہ! میرے کھوٹے عمل کو قبول فرما اور اجر وثواب مرحمت فرما۔

ف: سبحان اللہ! یہ اس نان بائی کی کتنی عقل ودانائی کی بات ہے۔ (مرتب)

غرض ہم سب کو حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی خاص خیال رکھنا چاہئے، اس لئے جہاں تک ہو سکے ایسے سلوک ومعاملے سے اجتناب کرنا چاہئے جس سے کسی مومن کو بجائے سرور وخوشی کے اذیت پہنچے۔ اور یہ ہر مسلمان کی خاص پہچان ہے، چنانچہ مشہور حدیث ہے "**المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده**" (یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان وہاتھ سے مسلمان سالم رہیں)

اللہ کی رضا وخوشنودی مقدم ہے

مگر اس باب میں اس بات کا خیال رکھیں کہ مخلوق کی رضا کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا فوت نہ ہونے پائے۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ نصیحت فرمائی جو ہر مسلمان کو لائحہ عمل بنانے کے لائق ہے۔ "**عن معاویةؓ انه کتب الیٰ عائشةان اکتبنی الی کتابا توصینی فیه ولا تکثری فکتبت سلام علیک امابعد فانی**

سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من التمس رضی الله بسخط الناس کفاه الله مؤنة الناس ومن التمس رضی الناس بسخط الله وکله الله الی الناس والسلام علیک.

(مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۴۳۵)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک خط لکھا یہ کہ مجھے مختصر نصیحت فرمائیے، تو آپ نے فرمایا سلام علیک، امابعد! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا جو شخص اللہ کی رضامندی تلاش کرے، لوگوں کو ناراض کر کے تو اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کے شر سے محفوظ فرمائے گا اور جو شخص لوگوں کی رضامندی اللہ کو ناراض کر کے تلاش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کے حوالے کر دیگا۔

کیونکہ یہ خوش خلقی نہیں ہے بلکہ غایت درجہ کی بدخلقی ہے۔ چنانچہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے اخلاق کی تعریف کسی کتاب سے یوں نقل کیا ہے "**معاملتک لکل احد یسرہ الا ماخالف الشرع**" یعنی حسن اخلاق یہ ہے کہ تمہارا ہر آدمی کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا جو اس کو خوش کر دے۔ مگر جو امر خلاف شرع ہو اس میں خوش کرنا ضروری نہیں بلکہ حرام ہے۔ جیسا کہ آج کل دیکھ لیجئے کہ الیکشن میں اپنے اعزہ کو خوش کرنے کے لئے ناجائز امور کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح شادی بیاہ میں دیکھئے کہ اس میں کیسی کیسی خرافات ہوتی ہیں، مگر اپنے احباب کی خوشنودی کے لئے ہم اس کو خوشی بخوشی گوارا کرتے ہیں۔ اسی طریقے سے سودی کاروبار بلکہ

لہو ولعب کی تجارت میں بلا تکلف شرکت کرتے ہیں، اور ان کے یہاں قیام وطعام سے گریز نہیں کرتے۔ غرض بہت سے معاملات ہیں جن میں اللہ کی مرضی کو پس پشت ڈال کر غیر اللہ کی رضا کو ترجیح دیا جاتا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بیجا خوش اخلاقی اور بے موقع مروت سے پناہ میں رکھے اور اس کے وبال سے بچائے۔ آمین

ابنائے زمانہ کے باہمی معاملات وحالات

اب مزید ابنائے زمانہ کے حالات ملاحظہ فرمائیں کہ باہم معافی تلافی ودل کی صفائی تو دور کی بات ہے، حقیقی بھائی اپنے بھائی کے مال وجاہ کی ترقی کو برداشت نہیں کرسکتا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ ؎

شنیدم کہ مردان راہ خدا	دلِ دشمنان ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام	کہ بادوستانت خلاف ست وجنگ

یعنی میں نے سنا کہ اللہ والے حضرات دشمنوں کے دل کو بھی رنجیدہ نہیں کرتے۔ تم کو کب یہ مقام میسر ہوگا جب کہ دوستوں اور بھائیوں کے ساتھ بھی جنگ کرتے ہو۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اب دوستوں کے ساتھ تو کیا ماں با، استاد وشیخ کے ساتھ بھی بدخلقی کا سلوک کیا جارہا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ مرشدی حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ سے سنا کہ اب اس زمانہ میں حقیقی اخلاق تو دور کی بات ہے رسمی اخلاق بھی باقی نہیں ہے۔ زبانی ہمدردی وغمخواری کی باتیں بھی ختم ہوچکی ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد

احمد صاحبؒ کے اس کے متعلق چند اشعار بھی ملاحظہ فرمایئے ؎

محبت سے خالی بشر دیکھ لیجے	زمانہ سراپا ہے شر دیکھ لیجے
محبت مروت اطاعت ہے غائب	پدر دیکھ لیجے پسر دیکھ لیجے
نہ پرکیف دن ہے نہ پرکیف راتیں	گناہوں کا اپنے اثر دیکھ لیجے

اور حدیث "**لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا**" (**ابن ماجہ**) (یعنی وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی تعظیم نہ کرے) کے مفہوم پر بھی عمل ختم ہوتا جارہا ہے۔ اس سے عوام ہی نہیں خواص بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ اس کا علاج یوں ارشاد فرمارہے ہیں ؎

رحمت کا ابر بن کے جہاں بھر میں چھایئے	عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھایئے
خلق نبی کا اب تو نمونہ دکھایئے	اغیار کو بھی اپنے گلے سے لگایئے

حضور کی باطنی سنتوں میں ایک سنت تواضع وعاجزی ہے

خلق نبی کا اعلیٰ نمونہ تواضع وانکسار وعاجزی اور دل کی صفائی ہے۔ اسی طرح آپ کی باطنی سنتوں میں سے ایک سنت سینوں میں کینہ کا نہ رکھنا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

عن انس قال لی	حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے
رسول اللہ صلی اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
علیہ وسلم یابنی ان	کہ اے لڑکے اگر تجھ سے ہو سکے کہ

قدرت ان تصبح وتمسى وليس فى قلبك غش لاحد فافعل، ثم قال يابنى وذالك من سنتى ومن احب سنتى فقد احبنى ومن احبنى كان معى فى الجنة (ترمذى)

رات ودن تو اس طرح گذارے کہ تیرے دل میں کسی کی طرف سے کینہ نہ ہو تو ضرور ایسا کر، پھر فرمایا کہ اے لڑکے یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت سے محبت کرے گا وہ مجھ سے محبت کرے گا اور جو مجھ سے محبت کریگا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

حضور کی ظاہری سنتوں میں ایک سنت سلام میں سبقت کرنا ہے

پس اس سنت پر بھی عمل لازم وضروری ہے جیسا کہ ظاہری سنتوں پر عمل کرنا سعادت کی بات ہے۔ اب ظاہری سنتوں میں سے ایک سنت جونہایت اہم وضروری ہے وہ سلام میں سبقت کرنا ہے جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غایت اہتمام فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ "يسوق اصحابه ويبدء من لقيه بالسلام" آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو چلنے میں آگے فرمادیتے اور جس سے ملتے خود ابتداء بالسلام فرماتے۔

ف: حدیث میں ہے جس نے ابتداء بالسلام کیا اپنے سے کبر کی نفی کر دی۔ انکسار وتواضع پیدا کرنے کا کیا سہل طریق ہے۔ (وصیۃ الاخلاق)

اب ایک دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گناہوں کو مستحضر رکھنے اور دوسروں کی خطاؤں کو نظرانداز کرنے کی نصیحت فرمائی ہے۔

جمع الفوائد میں سے ایک حدیث نقل ہے کہ:۔

مالک، بلغه ان عيسىٰ بن مريم كان يقول لاتكثروا الكلام بغير ذكر الله فتقسو قلوبكم فان القلب القاسى بعيد من الله ولكن لاتعلمون ولا تنظروا فى ذنوب الناس كأنكم ارباب، انظروا فى ذنوبكم كأنكم عبيد فانما الناس مبتلى ومعافى فارحموا اهل البلاء واحمدوا الله على العافية.

(وصية الاخلاق ص ٦٩)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے کہ اللہ کے ذکر کے سوا (دوسرے) کلام کی کثرت نہ کرو، ورنہ اس سے تمہارے دل سخت ہو جائیں گے، اور قلب قاسی اللہ تعالیٰ سے بڑا دور ہوجاتا ہے، لیکن (چونکہ یہ یعنی قرب اور بعد ایک امر معنوی ہے اس لئے) تمہیں اس کا بھی علم نہ ہوگا اور لوگوں کے گناہوں کو اس طرح نہ دیکھو گویا تم (ہی) اللہ ہو (یعنی اس طرح نظر نہ کرو جس کا منشاء کبر وتکبر ہو) اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھو کہ گویا تم بندے خطاوار ہو، اس لئے کہ لوگ مبتلاء (معاصی) بھی ہیں اور اہل عافیت بھی۔ (یعنی اہل طاعت وحفاظت بھی) پس تم کو چاہئے کہ اہل بلا پر رحم کرو اور اپنی عافیت پر اللہ کی حمد کرو۔

ف: اس حدیث میں اہل عصیان پر کبر کرنے کی ممانعت نکلی بلکہ ترحم کی فضیلت ثابت ہوئی، یہ خلق ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کا، پس ان کے متبعین کو اس

خلق سے انحراف کا کیا حق ہے۔ (وصیۃ الاخلاق ص۶۹) کماافادہ مصلح الامتؒ)

اب یہ حقیر عرض پرداز ہے کہ ان مؤثر مضامین کے پڑھنے اور لکھنے سے فی الحال دل بہت متأثر ہے، اپنے قصور کا اعتراف لازم حال ہے اور اپنا حال اس آیت کے عین مطابق پاتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کا حال بیان فرمایا ہے کہ مصائب میں مبتلاء کے اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، اور نہ حرکات شنیعہ سے باز آتے ہیں جو حسرت وافسوس کی بات ہے۔

اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّهُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ یَذَّکَّرُوْنَ. (سورہ توبہ)	اور کیا ان کو نہیں دکھلائی دیتا یہ لوگ ہر سال ایک بار دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے ہیں (مگر) پھر بھی (اپنی حرکات شنیعہ) سے باز نہیں آتے اور نہ کچھ سمجھتے ہیں۔ (بیان القرآن)

ف: اسی کو عارف رومیؒ بلاء کے نزول کی حکمت بیان کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں ؎

غم چوں بینی زود استغفار کن　　ہم ز امر خالق آمد کار کن

یعنی جب اپنے اوپر کسی بلا ومصیبت کو دیکھو تو فوراً توبہ واستغفار کرو۔ اس لئے کہ یہ خالق کی طرف سے کام پر لگانے کے لئے آیا ہے۔ یعنی اللہ کی طرف متوجہ کرنے کے لئے آیا ہے۔

حضرت خواجہ محمد معصومؒ کا اعتراف معاصی وذنوب

اس مندرجہ بالا آیت ''اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّهُمْ یُفْتَنُوْنَ'' الآیۃ کے تحت

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ اپنے ایک مکتوب گرامی میں انتہائی حسرت کے ساتھ یوں تحریر فرما رہے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم . بعد الحمد والصلوٰۃ وارسال التحیات ...... افسوس کہ عمر ختم ہوگئی اور عمل نہ ہوسکا، بیوفائی دنیا بالکل کھلی حقیقت بن گئی ہے۔ فتن ومصائب پے در پے آرہے ہیں، دوست اور ''جگر گوشہا'' کوچ کررہے ہیں، پھر بھی کوئی تنبہ وتذکر نہیں، توبہ وانابت بھی نہیں غفلت بڑھتی جاتی ہے۔ اور معاصی روزافزوں ہیں ''اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّهُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ یَذَّکَّرُوْنَ'' (سورہ توبہ)

یہ کون سا ایمان اور کون سی مسلمانی ہے کہ نہ تو کتاب وسنت سے پند پذیری ہے اور نہ مشاہدۂ آیات بینات سے عبرت حاصل ہورہی ہے۔ غور کرنا چاہئے کہ وہ یار اور ہمنشین جو پارسال اور اس سے گذشتہ سال یکجا ہمسفر وہم رکاب تھے مونس وہمدم تھے، وہ کہاں چلے گئے؟　ع

کجا رفتن آں یاراں کہ بودند مونس جانی

کوئی نشان ان کا ظاہر نہیں ہوتا، اور کوئی بھی ان کا نشان نہیں دیتا ؎

چناں خرمن عمر شاں شد بباد　　کہ ہرگز کسے زاں نشان نداد

یعنی ان کے عمر کا خرمن یوں برباد ہوگیا کہ کوئی ان کا نام ونشان نہیں بتلاتا۔

اللھم لاتحرمنا اجرھم ولاتفتنا بعدھم

پس ہم پر اور ہمارے پسماندوں پر لازم ہے کہ عمر دوروزہ کو غفلت میں نہ گذاریں، خواب خرگوش میں مبتلاء نہ ہوں۔ اس سرائے فانی سے دل نہ

لگائیں اور اس قحبۂ غدار (فاحشہ عورت) پر فریفتہ نہ ہوں۔ مرضیات مولائے حقیقی کی موافقت کریں۔ نفس شیطاں کے مکر اور گرداب ہواء وہوس سے کنارہ کشی کریں۔ گور و قیامت کو پیش نظر رکھ کر اپنے آپ کو مردوں میں شمار کریں۔

وعد نفسک من اصحاب القبور (الحدیث)

اپنے نفس کو اصحاب قبور میں سے شمار کرو۔

''حیات و وجود موہوم'' سے آزاد ہو کر اس موت میں مشغول ہوں جو پیش از موت ہے۔ وہ معدوم جو اپنے پر احکام موجود جاری کرے، اور عنوان وجود کے ساتھ ظاہر ہو اور وہ نیست جو خواہ مخواہ ہست بنے، قابل مضحکہ ہے۔ (ہنسی کے لائق ہے) (ترجمہ مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ ص ۲۶۴)

ف: سبحان اللہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ نے کیا ہی خوب خود اپنے لئے اور اپنے اہل وعیال کے لئے کیسی عمدہ نصیحت فرمائی ہے، جو ہم سب کے لئے صفحۂ قلوب پر لکھے جانے کے لائق ہے۔ اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔

حضرت مصلح الامتؒ اس قسم کے مکتوبات کو سنا کر فرماتے تھے کہ یہ مکتوبات ایسے ہیں جو مسلمانوں کو عمل پر کمر بستہ کر سکتے ہیں اور خود مکتوبات معصومیہ کے مطالعہ سے اپنے نفع کا ذکر فرماتے تھے۔ اللہ ہم سب کو انہیں مطالعہ کرنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

ناقص کی علامت اپنے حال پر غم وافسوس کا نہ کرنا ہے

چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی بیاض خاص

میں یہ عبارت نقل فرمائی ہے کہ:

مضر ترین چیز صحبت ناقصاں ست، وناقص دریں باب نزد من کسے ست کہ اوراغم کمال وتاسف براحوال خود نیست، وآنکہ اوراغم ایں کار است کہ او را کمال دارد، ہر چند کامل نباشد، ودر صحبت وے ضررے نیست۔

سب سے زیادہ مضر چیز ناقصوں کی صحبت ہے اور اس سلسلے میں ناقص میرے نزدیک وہ شخص ہے کہ جس کو کمال کا غم اور اپنے احوال پر افسوس نہ ہو اور جس شخص کو اس کام کا غم ہے وہ کمال کی طرف رخ رکھتا ہے۔ وہ اگرچہ کامل نہیں مگر اس کی صحبت میں کوئی ضرر نہیں ہے۔

حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اس عبارت کو سنا کر فرماتے تھے کہ ایسے ناقص شخص کی مصاحبت اس لئے زیادہ مضر ہے کہ اس کی صحبت کی نحوست سے وہ شخص اپنی اصلاح سے غافل اور تحصیل کمال کی طلب سے عاری ہو جائے گا۔ اور وہ ناقص جو اپنے قصور کا اعتراف کرتا ہے اور کمال تک پہنچنے کی فکر رکھتا ہے تو جو شخص بھی اس کی صحبت میں رہے گا اس کو بھی اپنے نقصان وقصور کا احساس ہو جائے گا جو اس کو کمال تک پہنچنے کا ذریعہ بنے گا۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ کو حضرت حکیم الامتؒ کی نصیحت

اب جی چاہتا ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نصیحت جو مولانا سید سلیمان ندویؒ کو فرمائی ہے اس کو ماہنامہ رسالہ ''القاسم'' میں جو حضرت مولانا عبد القیوم صاحب حقانی کی سرپرستی میں نکلتا ہے اس کی

اشاعت خاص متعلقہ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ سے اس نصیحت خاص کو جسے کسی ڈاکٹر صاحب کے حوالہ سے مولانا نے درج فرمایا ہے نقل کروں۔ جو ہم سب کے لئے اثر انگیز اور نصیحت آموز ہے۔ وہ یہ ہے۔

''ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ'' ایک مرتبہ حضرت سید صاحبؒ خانقاہ تھانہ بھون تشریف لائے، محفل خاص آراستہ تھی۔ سید صاحب حضرت مولانا تھانویؒ سے متصل بیٹھے ہوئے تھے، چپکے سے سید صاحب نے کوئی بات حضرت شیخ کے گوش گذار فرمائی اور کچھ دیر کی خاموشی کے بعد حضرت قدس سرہ نے سید صاحبؒ کے کان میں کچھ ارشاد فرمایا۔ ہم لوگ اس عرض وارشاد کو سن نہ سکے، مگر دیکھا یہ کہ دفعتہً سید صاحب پہ گریہ طاری ہو گیا، یہاں تک کہ سسکیاں بندھ گئیں، پھر سید صاحبؒ رخصت ہو گئے۔ ساری محفل محو حیرت تھی کہ یہ کیا ماجرا تھا، لیکن بارگاہ اشرفیہ میں استفسار کی کس کو مجال ہو سکتی تھی۔ ایک عرصہ کے بعد حضرت خواجہ صاحب (خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری مجذوب) نے جرأت کر کے وہ بات پوچھی، تو حضرت حکیم الامتؒ نے اس کا اظہار فرمایا اور خواجہ صاحب نے اس واقعہ کو بلا اظہار نام کے اسرف السوانح میں بھی درج فرمادیا۔ وہ یہ ہے۔

''ایک مشہور فاضل ندوی اتفاقاً چند گھنٹوں کے لئے حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چلتے وقت عرض کیا کہ مجھ کو کوئی نصیحت فرمایئے۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں متردد ہوا کہ ایسے فاضل کو کیا نصیحت کروں، پھر اللہ تعالیٰ نے فوراً میرے دل میں ایک مضمون ڈالا جو بعد کو معلوم ہوا کہ ان

کے بالکل مناسب حال تھا۔ (یہ ہیں شیخ الشیوخ کے الفاظ لفظ لفظ عبدیت کی تاثیر میں ڈوبا ہوا اور درس عبدیت کا مظہر بنا ہوا) میں نے کہا کہ حضرت آپ جیسے فاضل کو نصیحت تو کیا کر سکتا ہوں، لیکن ہاں میں نے جو اپنی اس تمام عمر میں سارے طریق کا حاصل سمجھا ہے، وہ عرض کئے دیتا ہوں۔ (اس پیرایۂ بیان میں طالب کی حیثیت وعظمت کا کس درجہ پاس ولحاظ ہے) وہ حاصل جو میں سمجھا ہوں، وہ فنا وعبدیت ہے۔ بس جہاں تک ممکن ہو اپنے آپ کو مٹایا جائے، بس اسی کے لئے سارے ریاضات ومجاہدات کئے جاتے ہیں اور بس اپنی ساری عمر فنا وعبدیت کی تحصیل میں گذار دینی چاہئے۔ اس تقریر کا ان پر اس درجہ اثر ہوا کہ وہ آبدیدہ ہو گئے'' بلکہ گریہ طاری ہو گیا۔

(اشرف السوانح ج۲ ص۲۱۸ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر)

پیری ومریدی کا مقصود فنائیت کا حصول ہے

چنانچہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ سلوک کا مقصود بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

مقصود از سیر وسلوک شیخی	سیر وسلوک سے مقصود پیر بننا اور مرید
ومرید گرفتن نیست مقصود از اں	بنانا نہیں ہے بلکہ وظائف بندگی کا اس
ادائے وظائف بندگی است	طرح سے ادا کرنا ہے کہ نفس کی آمیزش
بے منازعت نفس و نیز مقصود	اور منازعت باقی نہ رہے۔ اسی طرح
نیستی وگمنامی است وزوال	سے طریق کا مقصود نیستی اور گمنامی کی

رعونت وانانیت امارہ کہ تحصیل اور سرکشی اور خودرائی کو دور کرنا
معرفت بداں مربوط است۔ ہے اس لئے کہ معرفت کا حصول اسی
(مکتوبات معصومیہ) کے ساتھ وابستہ ہے۔

ف: بتلایئے ایسی پیری مریدی میں کیا قباحت ہے جس کا مقصود وظیفۂ بندگی کی ادائیگی اور نفس کی امارگی اور انانیت کا زوال ہو۔ اس لئے کہ انھیں رذائل سے پاکی کا نام تو تزکیۂ نفس ہے جس کا امر قرآن وحدیث میں مذکور ہے۔ (مرتب)

ایک اور واقعہ جسے حضرت مصلح الامت مولانا وصی اللہ صاحبؒ برابر نہایت اثر وکیف کے ساتھ سنایا کرتے تھے اس کو نقل کرتا ہوں۔

حضرت سید نور محمد بدایونیؒ کا اللہ کی باز پرس کا خوف

تحفۃ السالکین مؤلفہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ میں ہے کہ:

حضرت ایشان (یعنی حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ اپنے) پیر بزرگوار حضرت سید نور محمد بدایونیؒ کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے آپ کو آنحضرت کے مریدوں میں کہتا تھا۔ ایک دن اس شخص نے بدبختی میں آکر آنحضرت کے حضور میں سخت بے ادبی کی اور بہت برا بھلا کہا۔ جس کے جواب میں آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ دوسرے دن وہ شخص حاضر ہوا تاکہ آنحضرت سے توجہ وفائدہ حاصل کرے، میں نے چاہا کہ اس کو سزا دوں۔ آنحضرت نے مجھ کو منع کیا اور اس شخص پر اسی طرح متوجہ ہوئے جس طرح دوسرے مخلصوں پر توجہ فرمائی تھی۔ فقیر اس بات سے بہت تنگ دل ہوا اور اس

کو تمام مخلصوں کے برابر سمجھنے کے باعث آنحضرت کی خدمت میں ملتمس ہوا تو فرمایا مرزا صاحب! اگر میں اس کو سرزنش وملامت کرتا اور توجہ نہ دیتا تو مجھ سے اللہ تعالیٰ پوچھتا کہ میں نے تیرے سینے میں نور امانت رکھا تھا اور میرے بندوں میں سے ایک اس نور کو طلب کرنے آیا، تو نے اس کو کیوں محروم رکھا؟ تو اس وقت میں کیا یہ جواب دیتا کہ الٰہی! اس آدمی نے مجھے گالی دی تھی اس لئے میں نے محروم رکھا، اور کیا یہ جواب مقبول ہوتا۔ کچھ مدت میں تنگدلی کے ساتھ خاموش رہا تو تھوڑے دنوں کے بعد آنجناب نے فرمایا کہ اے بچہ! اگرچہ میں نے اس کو مخلصوں کی طرح توجہ دی ہے مگر اللہ تعالیٰ منافق کو کب مخلص کے برابر جانتا ہے "وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ" کام کی حقیقت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ فیض صرف مخلص اور مؤدب دوستوں کو پہنچتا ہے۔

(ترجمہ ارشاد الطالبین ص ۱۴۰ اقوال سلف ص ۲۵۲ ج ۳)

ف: غور فرمایئے کہ ایک مرید نے حضرت شیخ کی بے ادبی کی اور بہت برا بھلا کہا۔ اس کو ضبط کرنا کس قدر عفو وحلم، تواضع وشکستگی کی بات ہے۔ پھر اس کے بعد جب توجہ کا طالب ہوا تو آپ نے اس موذی مرید پر ویسے ہی توجہ فرمائی جیسا کہ دوسرے مخلصین پر توجہ فرمائی تھی۔ یقیناً یہ آپ کی غایت درجہ حسن خلق اور وسعت قلبی پر دال ہے۔ ساتھ ہی اللہ جل شانہ کی ذات سے انتہائی خوف اور خشیت پر دلیل ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے روز قیامت اس سلسلہ میں باز پرس فرمائیں گے تو میں کیا جواب دوں گا۔ خیر یہ تو حضرت شیخ نور محمد بدایونیؒ کی فراخ دلی اور خداترسی کی بات ہے مگر اس کی دوسری جہت کو

ملاحظہ فرمائیے کہ کس قدر دناءت، کمینگی بلکہ بدبختی کی بات ہے کہ جس ذات عالی صفات سے مرید ہوا مگر جب کوئی بات خلاف نفس وطبیعت پیش آئی تو اسی شیخ کی بےادبی وگستاخی میں کوئی کسر نہ اٹھارکھی۔العیاذ باللہ

اس لئے غور کریں کیا اب اس زمانہ میں ایسا نہیں ہوسکتا۔تو میں اپنے ناقص عقل کی بناپر کہہ سکتا ہوں کہ اب بھی ایسا ہوتا ہے سالہا سال کسی شیخ کامل کے پاس رہنے کے باوجود ایسی ایسی خود شیخ کے ساتھ بے ادبی وبدخلقی کا صدور ہوتا ہے کہ تعجب ہوتا ہے، مدتوں کسی شیخ ومرشد کے پاس آمدورفت رکھنے کے باوجود نہ شیخ ہی کی معرفت ہوتی ہے اور نہ طریق ہی کی۔

اسی مضمون کو حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحبؒ اپنے اس شعر میں عیاں فرمارکے ہیں ؎

احمد تجھے نہ جانا نہ سمجھا تمام عمر　　گوساتھ آرہے ہیں اور جارہے ہیں ہم

مندرجہ بالا واقعہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ ہم سب کی عبرت ونصیحت کے لئے برابر سنایا کرتے تھے۔مزید ایک اور واقعہ بھی نہایت اثر وکیف کے ساتھ سنایا کرتے تھے جس کو ہم نفحات الانس مؤلفہ حضرت شیخ عبدالرحمٰن جامیؒ سے نقل کرتے ہیں۔(مرتب)

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کی فراست

درایام عاشورا جمعے انبوہ در خدمت خواجہ نشستہ بود ند

عاشورا کے دن آپ کی خدمت میں بہت سے لوگ حاضر تھے اور معرفت وحقیقت

وایشاں در معرفت سخن می گفتند ناگاہ جوانے درآمد برصورتے زاہداں در بر سجادہ بر کتف ودر گوشہ بنشست خواجہ بوے نظر کردند بعداز ساعتی آں جوان برخاست وگفت حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ است "**اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله عزوجل**" سرایں حدیث چیست خواجہ رحمہ اللہ فرمود سرایں حدیث آنست کہ زنار ببری وایمان آری آں جوان گفت نعوذ باللہ کہ مرا زنار باشد ،خواجہ بخادم اشارت فرمود خادم برخاست وخرقہ از سرآں جوان برکشید درزیر خرقہ زناری پیدا شد آں جوان فی الحال زنار ببرید وایمان آورد۔

کی گفتگو چھڑی ہوئی تھی اتنے میں ایک نوجوان آیا جس کی شکل وصورت زاہدوں جیسی تھی اس کے بغل میں خرقہ اور کندھے پر مصلّٰی پڑا تھا، یہ نوجوان آکر ایک گوشہ میں بیٹھ گیا، خواجہ صاحبؒ نے اس کی طرف ایک نظر کی کچھ دیر کے بعد وہ نوجوان اٹھا اور کہنے لگا کہ اے خواجہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "**اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله عزوجل**" (مومن کی فراست سے ڈرتے رہو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) فرمائیے کہ اس قول میں کیا حکمت ہے؟ خواجہؒ نے فرمایا اس ارشاد میں یہ حکمت ہے کہ تم زنار کاٹ کر پھینک دو اور ایمان قبول کرلو اس جوان نے کہا کہ نعوذ باللہ! کہ میرے پاس زنار ہو۔حضرت خواجہ نے خادم کو اشارہ کیا کہ اس جوان کا خرقہ اتارڈالو جب خرقہ اس کے جسم سے اتارا گیا تو اس کے نیچے زنار

موجود تھی اس جوان نے اسی وقت زنار کاٹ کر پھینک دی اور ایمان لے آیا۔

حاضرین مجلس پر عجیب کیفیت کا طاری ہونا اور تجدید توبہ کرنا

جیسا کہ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

حضرت خواجہ فرمودند ای یاراں بیائید تا ما نیز در موافقت ایں نوعہد زنارہا قطع کنیم وایمان آریم چنانچہ وی زنار ظاہر را برید مانیز زنار باطن را کہ عبارت از عجب است بریم تا چنانکہ وی آمرزیدہ شد مانیز شویم حالتے عجب بریاراں ظاہر شد در قدمہائے خواجہ می افتادند وتجدید توبہ می کردند۔
(نفحات الانس)

اسی وقت خواجہ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اے یارو! آؤ ہم بھی اس نوجوان کی پیروی کریں اور اپنی اپنی زنار کو قطع کر ڈالیں اور ایمان لائیں جس طرح اس نوجوان نے اپنی ظاہری زنار کو قطع کیا ہے ہم بھی اپنی باطنی زنار کو کاٹ ڈالیں جس کو عجب وغرور کہتے ہیں تاکہ اس نوجوان کی طرح ہماری بھی مغفرت ہو۔ یہ کلام سن کر حاضرین مجلس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی اور سب کے سب خواجہ کے قدموں پر گر پڑے اور سب نے توبہ کی تجدید کی۔

اسی واقعہ کو (یا ممکن ہے یہ دوسرا واقعہ ہو) علامہ ابن قیمؒ نے مدارج السالکین ج ۲ ص ۴۸۵ میں یوں تحریر فرمایا ہے۔

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادیؒ کی فراست

وكان الجنيد يوما يتكلم على الناس فوقف عليه شاب نصراني متنكرا فقال ايها الشيخ مامعنى قول النبي صلى الله عليه وسلم(اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله)فاطرق الجنيد ثم رفع راسه اليه وقال اسلم فقد حان وقت اسلامك فاسلم الغلام.
(مدارج السالكين ج ٢ ص ٤٨٥)

حضرت جنیدؒ ایک دن لوگوں سے کلام فرما رہے تھے کہ اچانک ایک بالکل اجنبی نصرانی جوان کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ اے شیخ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول (اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله) کا کیا مطلب ہے تو اس وقت حضرت جنیدؒ نے سر جھکا لیا پھر سر اٹھا کر فرمایا اے نوجوان تو اسلام قبول کر اب تیرے اسلام لانے کا وقت آگیا ہے اسی وقت وہ جوان مسلمان ہوگیا۔

اس کے بعد علامہ ابن قیمؒ یوں تحریر فرماتے ہیں:

كان الصديق رضى الله عنه اعظم الامة فراسة وبعده عمر بن الخطاب رضى الله عنه ووقائع

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امت میں سب سے زیادہ صاحب فراست تھے ان کے بعد حضرت عمر بن الخطابؓ تھے چنانچہ ان کے

فراسته مشهورة.

فراست کے واقعات مشہور ہیں۔

حضرت عثمان بن عفانؓ کی فراست

وكذالك عثمان بن عفان رضي الله عنه صادق الفراسة وقال انس بن مالك رضي الله عنه (دخلت على عثمان بن عفان رضي الله عنه) وكنت رأيت امرأة في الطريق تأملت محاسنها فقال عثمان بن عفان رضي الله عنه ايدخل على احد كم واثر الزنا ظاهر في عينيه فقلت ! اوحى بعد رسول الله صلى الله عليه فقال: ولٰكن تبصرة وبرهان وفراسة صادقة.

ایسے ہی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ صادق الفراست تھے چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے راستہ میں ایک عورت کو دیکھا تھا اور اس کے حسن و جمال کو غور سے دیکھا۔ تو حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ میرے پاس ایسے آتے ہیں جن کی آنکھوں میں زنا کا اثر نمایاں ہوتا ہے تو میں نے عرض کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وحی کا سلسلہ جاری ہے تو فرمایا نہیں مگر تبصرہ وبرہان اور سچی فراست کا سلسلہ جاری ہے (اور تا

قیامت جاری رہے گا)۔ (مدارج السالکین ج۲ ص ۴۸۶)

اب جی چاہتا ہے کہ فراست کے متعلق جو اکابر امت کے ارشادات ہیں ان میں سے بعض کو مدارج السالکین سے نقل کروں تا کہ اس کا مفہوم کسی قدر ذہن میں آجائے اور ممکن ہے کہ اس کے حاصل کرنے کا داعیہ پیدا ہوجائے اور یہی اس کے حصول کا ذریعہ بن جائے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

علامہ ابن قیم الجوزیہؒ لکھتے ہیں:

فراست کی تین قسمیں ہیں اس میں سے ایک فراست ایمانی ہے جس کا سبب اور حقیقت یہ ہے۔

وسببها نور يقذفه الله في قلب عبده يفرق به بين الحق والباطل والحالي والعاطل والصادق والكاذب.

(مدارج السالكين ص ۴۸۴)

وحقيقتها انها خاطر يهجم على القلب ينقى ما يضاده.

اور اس کا سبب وہ نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے قلب میں ڈالتے ہیں جس کی وجہ سے حق اور باطل اور صاحب حال اور اس سے عاری اور صادق وکاذب میں فرق کرتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے دل پر ایک ایسا حال غالب ہوجاتا ہے جو اس کے خلاف ہوتا ہے وہ اس کی نفی کردیتا ہے۔

قال ابو سعيد الجراز من نظر بنور الفراسة نظر

حضرت ابوسعید الجرازؒ نے فرمایا جس نے نو فراست سے دیکھا درحقیقت

بنور الحق وتكون مواد علمه مع الحق بلاسهو ولاغفلة بل حكم حق جرى على لسان عبده.

وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھا اور اس کے علمی مباحث بغیر سہو وغفلت کے برحق ہوں گے بلکہ حکم حق اللہ کے بندہ کی زبان پر جاری ہو رہا ہے۔

وقال الدارانی ! الفراسة مكاشفة النفس ومعاينة الغيب وهی من مقامات الايمان.

علامہ دارانیؒ نے فرمایا کہ فراست دل پر حالات کے منکشف ہونے اور غیب کے دیکھنے کا نام ہے اور یہ ایمان کا ایک اعلیٰ مقام ہے۔

حصول فراست کے لئے ضروری اعمال

وقال عمرو بن نجيد ! كان شاه الكرمانی حاد الفراسة لايخطیء ويقول من غض بصره عن المحارم وامسک نفسه عن الشهوات وعمر باطنه بالمراقبة وظاهره باتباع السنة وتعوّد اكل الحلال لم تخطیء فراسته.

اور عمرو بن نجید نے فرمایا کہ شاہ کرمانیؒ سریع الفراست تھے اور ان کی فراست خطا نہیں کرتی تھی وہ یہ فرماتے تھے کہ جو شخص محارم سے اپنی آنکھوں کو باز رکھے گا اور نفس کو شہوات سے روکے گا اور اپنے باطن کو مراقبہ سے مزین اور ظاہر کو اتباع سنت سے آراستہ کرے گا اور اکل حلال کا عادی ہوجائے گا تو اس کی

فراست خطا نہ کرے گی۔ (مدارج السالکین ص ۴۸۴)

ف: ظاہر ہے کہ یہ جملہ اعمال وآداب شریعت وسنت سے ثابت ہیں اس کے امتثال سے انشاء اللہ ضرور اس کے باطنی ثمرات حاصل ہوں گے اس لئے کہ مشہور ہے ''الاحوال ثمرات الاعمال'' ہاں اس کے ساتھ ہی ساتھ الحاح وزاری ودعا بھی کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نور ایمان، سچی فراست سے ہم سب کو مشرف فرمائے۔ اس لئے اصل تو یہی ہے کہ یہ سب باطنی چیزیں یعنی فراست اور نورانیت وغیرہ موہبت الٰہیہ ہیں جب اس کے اسباب بندہ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے ان ثمرات وکیفیات سے نوازتے ہیں اس لئے اس کا خوب ہی خوب التزام واہتمام کرنا چاہئے۔

(محمد قمر الزمان)

حضرت شیخ سیف الدین والد شیخ عبدالحقؒ کی عاجزی ونیستی

حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ نوافل ومستحبات وعزائم جن سے اس راہ کے سالکین بہرور ہوتے ہیں وہ مجھے میسر نہیں۔ ہاں فکر، عجز ونیستی، حسرت وندامت میرے پاس ضرور ہے اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

ف: یہ عجز ونیستی، حسرت وندامت معمولی دولت نہیں اللہ رب العزت کی جناب میں بڑی قدر وقیمت ہے۔ جیسا کہ حضرت سیدنا احمد رفاعی فرمارہے ہیں کہ میں نے کوئی آسان اور مشکل راستہ نہیں چھوڑا جس کے پردے نہ

کھولے ہوں اور لشکر ہمت کے ہاتھوں سے اس کے بادباں کو نہ اٹھائے ہوں
میں نے ہر دروازے سے اللہ کے پاس پہنچنا چاہا مگر ہر دروازہ پر بہت زیادہ
ہجوم پایا تو میں ذلت وانکسار کے دروازے پر پہنچا اس کو میں نے خالی پایا اور
اسی سے اپنے مطلوب کو پالیا اور دوسرے طالب ابھی دروازوں ہی پر کھڑے
تھے۔(البنیان المشید ص ۱۳۶)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ اے بزرگو! صوفیہ کی جماعتیں آج
کل مختلف پارٹیاں بن گئی ہیں مگر یہ ناچیز احمد ذلت وانکسار والوں اور مسکنت
اور بے قراری والوں کے ساتھ رہے گا ۔

هنیا لارباب النعیم نعیمهم — وللعاشق المسکین ما یتجرع

یعنی دولت والوں کو ان کی دولت مبارک ہو رہا عاشق مسکین تو اس کے نصیب
میں تلخ گھونٹ ہی ہے۔

یہ تھا ان کا حال کہ اگر حفظانِ صحت اور بیماری دور کرنے کی خاطر کوئی
علاج کرنا چاہتا تو اس کی پابندی نہ فرماتے۔فرماتے تھے کہ میں کام ہی کون سا
انجام دیتا ہوں کہ میں اپنی رعایت وحفاظت کروں، میرا تو ہونا اور نہ ہونا برابر
ہے۔خوف وخشیتِ الٰہی کا ان پر اس قدر غلبہ تھا کہ وقت کا کم حصہ اس خیال
سے فارغ ہوتا۔

فرماتے تھے کہ مجھے اپنی ذات میں ایک چیز بھی ایسی نظر نہیں آتی جسے میں
آخرت میں اپنی دستاویز خیال کروں اور یہ سمجھوں کہ بارگاہِ ربانی میں کام
آئے گی۔اور روتے تھے۔

ف: سبحان اللہ! کس قدر تواضع اور خوف آخرت تھا۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور بے نیازی کا خیال آتا
ہے اپنی طاعتیں اور معرفتیں بیکار سی نظر آنے لگتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ کیا
انجام ہوگا اور آخری مرحلہ کیسے طے ہوگا، اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ فقیر جب گھر
میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا تو وعید سے متعلق آیات ذرا ہلکی آواز سے پڑھتا
اور اگر کبھی اونچی آواز سے پڑھ دی جاتیں اور ان کے کانوں تک آواز پہونچ
جاتی تو اس قدر گریہ وزاری کرتے کہ بے حال ہوجاتے، اور اگر وعدہ ورحمت
کی آیات اونچی آواز سے تلاوت کی جاتی تو انہیں سن کر فرحت وتازگی محسوس
کرتے۔ وفات کے قریب بعض ایسے اشعار اور کلمات جو عفو ومغفرت کے
مضمون پر مشتمل تھے، کاغذ پر لکھ کر کفن میں رکھنے کے لئے فرمایا، ان میں سے
ایک رباعی یہ ہے۔

دارم دلے غمگین بیامرز ومپرس — صد واقعہ درکمیں بیامرز ومپرس
شرمندہ شوم اگر مپرسی عملم — اے اکرم الاکرمیں بیامرز مپرس

میں مغموم دل والا ہوں، مجھے بخش دیجئے، اور باز پرس نہ کیجئے۔ سو
حادثے گھات میں ہیں، اس لئے بخش دیجئے اور پوچھ گچھ نہ فرمائیے۔
میرے اعمال کے متعلق اگر پرسش ہوگی تو مجھے شرمندگی ہوگی۔اس لئے اے
اکرم الاکرمین! میری مغفرت فرمادیجئے اور باز پرس نہ فرمائیے۔

اس کے علاوہ دو شعر یہ ہیں۔

قدمت علی الکریم بغیر زادٍ — من الحسنات والقلب السلیم

محمل الزاد اقبح کل شئ　　　اذا کان القدوم علی الکریم

میں ذات کریم کی جناب میں نیکیوں اور قلبِ سلیم کے توشے کے بغیر حاضر ہوا ہوں، اس لئے کہ کریم ذات کے دربار میں توشہ کے ساتھ حاضر ہونا بدترین شئے ہے۔(اقوال سلف حصہ سوم ص ۸۸)

خواجہ بہاء الدین نقشبند کا عجز ونیستی وطلب رحمت الٰہی

اسی بناء پر خواجہ بہاء الدین نقشبند اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہوکر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو　　　شیئاً للہ از جمال روئے تو

اے اللہ! ہم مفلس ہوکر آپ کے کوچے میں حاضر ہوئے ہیں۔ لہذا اپنے جمال سے تھوڑی سی بھیک عنایت فرمادیجئے۔

دست بکشا جانبِ زنبیل ما　　　آفریں بردست وبر بازوئے تو

ہماری جھولی کی طرف اپنے دستِ کرم کو بڑھائیے۔ آپ کے دستِ بازو کو مبارکباد ہو۔ (نفحات الانس)

اب ہم عارف باللہ ابراہیم دسوقی قرشیؒ کے ارشادات ونصائح اقوال سلف حصہ دوم سے نقل کرتے ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں۔

وصایا ونصائح پر عمل کرو اجازت نامہ دکھلانے سے کوئی نفع نہ ہوگا

فرمایا کرتے تھے کہ اے میرے بچو! ولیوں کے اخلاق اختیار کرو تاکہ

تمہیں سعادت حاصل ہو اور اگر تم نے فقط اجازت نامہ لے لیا اور اولیاء اللہ کے اخلاق کے ساتھ متخلق نہ ہوئے اور جہاں کسی نے ذرا ٹوکا تو جھٹ اپنا اجازت نامہ کھول کر دکھلا دیا، تو سنو یہ کچھ بھی نہیں ہے بلکہ یہ محض نفسانیت ہے۔ ہاں تم کو یہ چاہئے کہ اس اجازت نامہ کو بغور پڑھو اور جو وصایا ونصائح اس میں مذکور ہیں انپر عمل کرو تو اس سے تم کو فائدہ پہنچے گا اور اس سے تم کو بزرگی نصیب ہوگی۔

اے بچو! مقامات اولیاء تک پہنچنے کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے۔ اور تا قیامت یہی رہے گا۔

ف: سبحان اللہ! کیسی عمدہ نصیحتیں ہیں کاش مشائخ کے اجازت یافتہ حضرات ان کو مستحضر رکھتے تو خود ان کو بھی فائدہ پہونچتا اور دوسروں کو بھی۔(مرتب)

فرماتے تھے کہ جن کو خلق اللہ پر شفقت نہ ہوگی وہ اہل اللہ کے درجات تک نہیں پہونچ سکتے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب بکریوں کو چَرایا تو ان میں سے کسی کو چھڑی سے نہ مارا اور نہ بھوکا چھوڑا اور نہ کسی قسم کی اذیت دی، پس جب اللہ تعالیٰ نے ان کی غایت شفقت کا ملاحظہ فرمایا تو نبی بنا کر مبعوث فرمایا اور ان کو کلیم بنادیا اور بنی اسرائیل کا راعی مقرر فرمایا اور ان سے سرگوشی فرمائی۔ پس جو شخص بھی مخلوق کا اعزاز کرے گا اور ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرے گا تو اولیاء اللہ کے درجات تک ترقی کرے گا۔

فرماتے تھے کہ شیخ مرید کا طبیب ہے لہذا جب مریض طبیب کی ہدایت پر عمل نہ کرے گا تو وہ شفایاب نہ ہوگا۔

فرماتے تھے کہ جسم کے تین جزء ہیں۔ دل ،زبان اور اعضاء ۔ پس اعضاءوزبان پرتو فرشتے متعین ہیں اور دل اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہے۔

فرماتے تھے کہ اگرتم لوگ حقیقی اولاد ہواور مخلص پیرو ہوتو اللہ تعالیٰ کے لئے مخلص بندے بن جاؤ۔اوراپنے دل کواپنا واعظ بناؤاور خوب عمل کرو۔اور کسی سے مال کے طالب نہ ہو یہی میرا طریقہ ہے۔جوشخص مجھ سے سچی محبت رکھتا ہوگا وہی میرے ساتھ اس طریقہ پر چلے گا کیونکہ حقیقی سالک ودرویش وہی ہے جواس طریقہ پر چلے۔

فرمایا کرتے تھے کہ اے میرے بچو!اگرتم ہمیشہ روزہ سے ہواور رات میں مستقل عبادت کرتے ہواورتمہارا دل پاک صاف اور معاملہ اخلاص کے ساتھ درست ہوتب بھی اپنے کمال کا دعویٰ نہ کیا کرو۔ بلکہ صرف یہ کہو کہ میں گنہگار و ناکارہ ہوں،نفس کے شرور وغرور سے پرحذر رہو،اس لئے کہ بہت سے فقیراسی کی وجہ سے تباہ وبرباد ہوگئے۔

فرماتے تھے کہ اے میری اولاد!اگرکسی کی غیبت کا جی چاہے تو اپنے والدین کی غیبت کیا کرو۔اس لئے کہ تمہاری نیکیوں کا وہ زیادہ مستحق ہیں۔

فرماتے تھے کہ تم میں کا کوئی شخص صالح ہونے کا کیسے دعویٰ کرتا ہے جب کہ وہ اعمال بدکا ارتکاب کرتا ہے،چنگی وصول کرنے والوں، رشوت لینے والوں،سود کھانے والوں، ظالموں اور ان مددگاروں کے یہاں جا کر کھانا کھاتا ہے۔اور کیسے نیک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔اور کیسے اس بات کا طالب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں صادق، ولی، حبیب لکھا جائے جب کہ وہ معاصی

میں منہمک ہے اوراس پرطرہ یہ کہ اب تک اس نے توبہ تک نہ کی۔تو آخر کیسے وہ طریقت کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسروں کوتوبہ کراتا پھرتا ہے۔

فرماتے تھے کہ حامل قرآن پر واجب ہے کہ اپنے پیٹ کوحرام کھانے سے نہ بھرے اور نہ اپنے جسم کوحرام کپڑے سے ڈھانکے۔پس اگر وہ ایسا کرے گا تو قرآن اس کے اندر سے اس کولعنت کرے گا اور کہے گا کہ اللہ تعالیٰ کی اس شخص پرلعنت ہوجس نے اللہ تعالیٰ کے کلام کی تعظیم نہ کی۔

فرماتے تھے کہ اے میرے بچو!اپنے پاس آنے جانے والوں خاص طور سے بدعملوں سے پرحذر رہا کرو۔اگرتم اپنے بھائی سے سختی کو دیکھوتو تم اس کے ساتھ نیک سلوک کرو۔اوراس کے ضرر سے اپنے کومحفوظ رکھو۔رہا تمہارا دوست تو اگر وہ دوستی کو نباہے تو تم بھی اس کی رعایت کرو۔ سچ بات تو یہ ہے کہ اے میرے بچو!اب آدمی کواس کا چارہ نہیں کہ سبھی سے پرحذر رہے۔اس لئے کہ ہم لوگ آخری زمانہ میں ہیں جس میں خیرخواہی کم ہوگئی ہے۔پس شاید ہی تم کوکوئی خیرخواہ ملے گا۔اور ایسے لوگوں سے تو بہت دور رہوجن کی خوشی کے تم درپے ہو اور وہ تمہارے درپے آزار ہوں،اورتم ان کو بلند کرنا چاہواور وہ تم کو پست کرنے کی کوشش کررہے ہوں۔ چنانچہ اس دور میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگران کے ساتھ نیکی نہ کروتو وہ تمہارے ساتھ برائی کریں گے بلکہ بہتیرے ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے ساتھ نیکی کا معاملہ بھی کروتو وہ تمہارے ساتھ برائی ہی کا معاملہ کریں گے۔تم ان کے ساتھ کتنے ہی لطف وکرم کے ساتھ پیش آؤ گے مگر وہ تم پرظلم وستم ہی ڈھائیں گے۔تم ان کوفائدہ پہنچاؤ گے مگر وہ تم کوضرر پہونچائیں گے۔تم ان

کے ساتھ بھلائی کے خواہاں ہو گے مگر وہ تم پر جفا کرنے پر تلے ہوں گے۔ تم ان پر وصل کا معاملہ کرو گے اور وہ لوگ قطع ہی کو اپنا شیوہ بنائیں گے۔ تم تو ان کو کھانا کھلاؤ گے اور وہ تم کو محروم رکھیں گے۔ تم تو ان کو بڑھاؤ گے اور وہ اگر موقع پائیں تو تم کو پیچھے ہٹادیں گے۔ اور جن کی تم نے پرورش کی ہے وہ کہیں گے کہ ہم نے ہی تمہاری پرورش کی ہے۔ اور تم ان کے ساتھ انتہائی صفائی کے ساتھ معاملہ کرو گے مگر وہ تمہارے ساتھ خیانت کو روا رکھیں گے۔ اور تم تو ان سے بشاشت سے ملو گے مگر وہ تم سے ترش روئی اور تکدر سے ملیں گے۔ ہائے رے دنیا۔

اے اہل دنیا خود غور کرو کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نفاق موجود تھا تو ساتویں صدی بھلا کیسے اس سے خالی ہو سکتی ہے۔ اس لئے اے میرے بچو! بروں سے الگ رہو اور نیکوں سے نیکی حاصل کرو۔

(طبقات ص ۱۵۶ ج ۱۔ اقوال سلف ج ۲ ص ۱۶۸)

ف: حضرت شیخ نے اپنے مریدین ومتعلقین سے اپنے زمانہ کا یہ حال بیان فرمایا ہے اور نصیحت فرمائی ہے کہ سبھی سے پرحذر رہنا چاہئے۔ تو آج کل کا دور تو اس سے کہیں زیادہ پرفتن وبدتر ہے لہذا بہت پرحذر رہنے کی ضرورت ہے۔

سلف صالحین کے ساتھ حسن ظن اوران کی خدمات کا اعتراف

چنانچہ اس دور کے فتنوں سے پرحذر رہنے کی تاکید فرماتے ہوئے حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ قرآنی افادات صفحہ ۳۰۷ میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ جَاؤُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ.

(سورہ حشر. ۱۰)

اور (ان کے لئے بھی) جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے، ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

مندرجہ بالا آیت میں مسلمانوں کی آئندہ نسلوں سے اس بات کا مطالبہ کیا جارہا ہے کہ گذشتہ نسلوں کے بارے میں ان کا رویہ شرح صدر اور اعتراف حق کا ہو جائے، صدق واخلاص، اطاعت رب، خوف وانابت، دین کی خدمت اور اسلامی سرحدوں اور قلعوں کی پاسبانی وحفاظت کے میدان میں جو سبقت اور فضیلت ان کو حاصل ہے، اس کو دل سے تسلیم کرنا چاہئے، ان کی طرف سے نئی نسل کے دلوں میں کوئی کینہ اور نفرت نہ ہو، ان کی خدمات کے اعتراف میں اس کو انقباض اور تکلیف محسوس نہ ہو، اس کی زبان ان کے لئے دعا گو اور ثنا خواں رہے۔ ان کے عذر اور مجبوریاں اس کے لئے قابل قبول ہوں۔ اور وہ ان فروگذاشتوں سے جن سے کوئی فرد بشر محفوظ نہیں رہتا، درگذر سے کام لے۔

اس لئے کہ جو اجتہاد کرتا ہے اس کے ساتھ خطا وصواب کا احتمال رہتا

ہے۔گرنے کا اندیشہ اسی سے ہوتا ہے جو چلنے اور دوڑنے کا ارادہ کرے۔اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وہدایت کے سوا دوسرے تمام لوگوں کے احکامات وتعلیمات میں ردوقبول دونوں چیزوں کی گنجائش ہے۔

دعوت وتبلیغ کی ایک اہم ضرورت ، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کی سیرت وتاریخ کی عظمت کو ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم صحابہ کرام کے محاسن کا اعتراف کریں۔ان کے کارنامے کی عظمت واہمیت ، ان کی وفاداری، باہمی محبت وتعاون علی الحق کے نقوش کو اجاگر کریں۔اور اس تابناک تاریخ کا یہ روشن ورق دنیا کے سامنے پیش کریں۔ان کی بھول چوک، اور بشری کمزوریوں کی حیثیت تاریخ کے صاف شفاف صفحہ پر ایک سیاہ نقطہ سے زیادہ نہیں، صحیح منطق اور عقل سلیم بھی اس موقف کو قبول کرتی ہے ۔اور قرآن مجید اور مستند تاریخ سے بھی یہی موقف درست ثابت ہوتا ہے۔قرآن مجید نے بھی سابقین اولین ،اور سلف صالحین کے متعلق اس روش کو قابل تعریف قرار دیا ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاؤُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ.....الخ

اس آیت کا ہم سے مطالبہ یہ ہے کہ ہم سلف صالحین اور ایمان واحسان کے شعبۂ امام وپیشرو بزرگوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے، ان کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے اور ان پر کسی قسم کا حکم لگانے میں احتیاط سے کام لیں، اور اس میں کسی عجلت اور جذبات کا مظاہرہ نہ کریں۔اور جب تک

پوری طرح کسی مسئلہ کا اطمینان نہ ہوجائے اس پر قطعی حکم لگانے سے باز رہیں۔

بعض مرتبہ کسی وجہ سے یہ ذہن بن جاتا ہے۔اگر کسی نے اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش نہیں کی تو گویا اس نے کوئی کام نہیں کیا، چاہے وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہوں، یا حضرت مجدد الف ثانیؒ یا حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ۔ یہ تاریخ کے سطحی مطالعہ کا نتیجہ ہے، اس میں سب کا حصہ ہے، محدثین فقہاء، صلحاء امت، اولیاء اللہ سب کا اس میں حصہ ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ امام ابوحنیفہؒ کیا کرتے تھے؟ نماز روزے کے مسائل بتاتے تھے، انھیں تو اسلامی خلافت وسلطنت قائم کرنی چاہئے۔تو خلافت تو قائم ہوجاتی ہے لیکن آپ کو نماز پڑھنا کون سکھاتا؟ اور وہ خلافت کس کام کی جس میں نماز پڑھنا کسی کو نہ آتا ہو؟۔

آگے مولانا علی میاں ندویؒ یوں رقمطراز ہیں۔

یہ خیال آپ کے دل میں نہ آئے کہ سب ناقص تھے، کسی نے اسلام کو سمجھا نہیں، کسی نے پورے اسلام کو قائم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ یاد رکھئے سب لوگ اپنے امکان واستطاعت کے مطابق دین کی خدمت اور اس کی حفاظت میں لگے ہوئے تھے، کوئی وعظ کہہ رہا تھا، کوئی تقریر کررہا تھا، اور کوئی حدیث پڑھا رہا تھا، کوئی فتوے دے رہا تھا، اور کوئی کتابیں لکھ رہا تھا، اپنی جگہ اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی تربیت کا کام کررہے تھے۔اور ہر ایک نے ایک محاذ سنبھال رکھا تھا۔

یہ کبھی نہ سمجھئے گا کہ اسلام کو اب کچھ لوگ سمجھے ہیں۔ اس سے پہلے کوئی پورے اسلام کو سمجھا ہی نہیں، یہ اسلام پر بڑا الزام ہے، یہ اسلام کی صلاحیت پر بڑا دھبہ ہے، اس سے قرآن شریف کی زندگی اور اس کا واضح اور قابل ہونا مشکوک بن جاتا ہے جس کو ''کتاب عربی مبین'' ''لسان عربی مبین'' کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ جو کتاب ہزار بارہ سو برس نہ سمجھی گئی ہو، اب کیا اطمینان ہے کہ وہ صحیح سمجھی گئی ہو؟ ...... اسلام کی بنیادی اصول، قرآن کے حقائق، اور دین کے قطعیات، تسلسل کے ساتھ چلے آرہے ہیں، اگر کوئی سمجھتا ہے کہ وہ عرصہ تک نہیں سمجھے گئے تو یہ اس کی نظر کی کوتاہی ہے، ایک بات بھی کوئی ثابت کردے کہ یہ حقیقت بالکل عالم اسلام بھول گیا۔ شیخ اسلام ابن تیمیہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ایک سنت بھی نہیں ہے جو پورے طور پر عالم اسلام سے کلیۃً اٹھ گئی ہو۔ اگر اس کونے پر موجود نہیں تھی تو اس کونے پر موجود تھی۔ گویا بقول اقبالؔ ہے ؎

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

تو آپ سلف کے ساتھ حسن ظن رکھئے، اس میں ایمان کی بڑی حفاظت ہے، اور ان کے لئے دعا کرتے رہئے کہ:

وَالَّذِیْنَ جَاؤُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَاتَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا

اِنَّکَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ.

ترجمہ: اور (ان کے لئے بھی) جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے، ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ (قرآنی افادات ص۳۱۰)

اب ہم مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی شہرۂ آفاق کتاب تاریخ دعوت وعزیمت جس میں امت کے مصلحین وداعین اور علمائے ربانیین کے آتے رہنے کے تسلسل کو دکھلایا ہے اور تاریخ سے ثابت فرمایا ہے کہ کوئی دور ایسے مصلحین سے خالی نہیں رہا ہے۔ اس لئے تاریخ دعوت وعزیمت کے مقدمہ سے چند اقتباسات نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

ہرنئے فتنے اور نئے خطرے کے لئے نئی شخصیت وطاقت

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اسلام کے اس طویل اور پر آشوب تاریخ میں کوئی قلیل سے قلیل مدت ایسی نہیں پائی جاتی، جب اسلام کی حقیقی دعوت بالکل بند ہوگئی ہو، حقیقتِ اسلام بالکل پردہ میں چھپ گئی ہو، امت اسلامیہ کا ضمیر بالکل بے حس ہوگیا ہو، اور تمام عالم اسلام پر اندھیرا چھا گیا ہو، یہ تاریخی واقعہ ہے کہ جب کبھی اسلام کے لئے کوئی فتنہ نمودار ہوا،

اس کی تحریف اوراس کومسخ کرنے کی کوشش کی گئی ، یااس کوغلط طریقہ پر پیش کیا گیا ، مادیت کا کوئی سخت حملہ ہوا کوئی طاقتور شخصیت ایسی ضرور میدان میں آ گئی ، جس نے اس فتنہ کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا ، اوراس کو میدان سے ہٹادیا ، بہت سی دعوتیں اورتحریکیں ایسی ہیں جو اپنے وقت میں بڑی طاقتور تھیں ، لیکن ان کا وجود صرف کتابوں میں رہ گیا ہے۔ ان کی حقیقت کا سمجھنا بھی آج مشکل ہے ، کتنے آدمی ہیں ، جو قدریت ، جہمیت ، اعتزال ، خلق قرآن وحدۃ الوجود اور اکبر کے دینِ الٰہی کی حقیقت اور تفصیلات سے واقف ہیں ، حالانکہ یہ اپنے اپنے وقت کے بڑے اہم عقائد و مذاہب تھے ، ان میں سے بعض کی پشت پر بڑی بڑی سلطنتیں تھیں ، اور اپنے زمانہ کے بعض بڑے ذہین اور لائق اشخاص ان کے داعی اور علمبردار تھے ، لیکن بالآخر حقیقت اسلام نے ان پر فتح پائی ، اور کچھ عرصہ کے بعد زندہ تحریکیں اور سرکاری مذہب علمی مباحث بن کر رہ گئے ، جو صرف علم کلام اور تاریخ عقائد کی کتابوں میں محفوظ ہیں ، دین کی حفاظت کی یہ جدوجہد ، تجدید وانقلاب کی کوشش اور دعوت واصلاح کا یہ سلسلہ اتنا ہی پرانا ہے ، جتنی اسلام کی تاریخ ، اور ایسا ہی مسلسل ہے جیسی مسلمانوں کی زندگی۔

اس کے بعد عنوان ''اسلام کی میراث'' میں اپنے اسلاف کی متنوع خدمات کو سراہتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔

اس میراث میں ہر اس فرد کا پورا حصہ ہے جس نے اسلام کے کسی دور میں بھی منہاج خلافت پر حکومت قائم کی۔ جاہلیت اور مادیت کا مقابلہ کیا ،

اللہ کی طرف دعوت دی۔ جس نے دعوت وتذکیر اور انذار وتبشیر میں انبیاء علیہم السلام کی نیابت کی۔ جس نے اپنی حکیمانہ دعوت اور اپنے دام محبت سے اس دشمن کا شکار کیا جو زور شمشیر اور نوک خنجر سے بھی زیر نہ ہو سکا تھا۔ جس نے اپنے طاقتور ایمان اور اپنی روحانی قوت سے ایسے دشمنوں کو حظیرہ اسلام میں داخل کیا اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف بخشا ، جس نے اپنے طاقتور ادب اور دل گداز و بلیغ اشعار سے ان ذہنوں کو اسیر دام کیا جو علمی مباحث اور مذہبی فلسفوں سے مطمئن ہونے والے نہیں تھے ، یہ پورا ایک سلسلہ ہے اور اس میں ہر شخصیت کا ایک خاص حصہ اور مرتبہ ہے ، تاریخ دراصل امانت کی ادائیگی اور حق شناسی اور اعتراف حقیقت کا نام ہے ، ان میں ہر شخص اسلام کی کسی نہ کسی سرحد کا محافظ اور اسلام کے ترکش کا ایک قیمتی تیر تھا ، اگر ان لوگوں کی مخلصانہ کوششیں نہ ہوتیں ، جس کو آج ہم تاریخ کی دوربین سے دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں ، تو ہم تک یہ مجموعہ نہیں پہنچ پاتا ، جس میں ہمارے لئے عزت ، عبرت اور موعظت کا وافر سامان موجود ہے ، اور جس کی موجودگی میں ہم اقوام عالم کے سامنے بجا طور پر اپنا سر بلند رکھ سکتے ہیں۔

اس مسلک اور ان خطوط پر جو مصنف کے نزدیک منصفانہ وعادلانہ مسلک ہے ، اس نے آئندہ صفحات میں ان اہم شخصیتوں کی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے ، جنھوں نے دعوت وعزیمت اور اصلاح وتجدید کے میدان میں کوئی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ وبیداللہ التوفیق (تاریخ دعوت وعزیمت)

یہ حقیر محض اپنی عقیدت کی بنا پر نہیں بلکہ حقیقت کی بنا پر عرض پرداز ہے کہ

اسی سلسلۃ الذہب کی سنہری کڑیاں اکابرِ متأخرین میں یہ حضرات جبال العلم والعمل بھی شامل ہیں۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند، حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ، حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ بانی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، حضرت شیخ الہند مولانا محمودالحسن صاحب دیوبندیؒ، حضرت حکیم الامت مجددالملت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، حضرت رئیس التبلیغ مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ، حضرت امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ ،حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ [۱]، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ وامثالھم ۔

ان جملہ حضرات میں سے ہر ایک نے مختلف جہتوں سے دین کا کام کیا

---

[۱] حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ حضرت مصلح الامت مولانا وصی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے جس کی روئداد پرانے چراغ میں ارقام فرمایا۔ اس میں ایک پیراگراف بصیرت کے لئے نقل کرتا ہوں۔

''مولانا کی اس بیقراری اور سیماب وشی کو دیکھ کر بے اختیار مولانا محمد الیاس صاحبؒ یاد آ گئے وہی نحیف جثہ، وہی گفتگو میں تکلفات اور انداز خطابت سے بے نیازی، وہی موسوی رنگ کہ زبان سینہ کے جوش اور دل کا ساتھ نہ دے سکے، وہی دعوت کا غلبہ، وہی فکر میں ڈوبا ہوا سکوت، وہی اضطراب سے لبریز تکلم، دعوت کے موضوع کا ضرور فرق تھا لیکن اپنے موضوع سے عشق اور اپنے کام کی فکر کا وہی حال تھا، صبح اور شام کی مجلسوں میں شرکت کا اتفاق ہوا، ایسے جذب کی کیفیت تھی جس پر عقل وسلوک کے پہرے بیٹھے ہوئے تھے، کبھی کبھی بعض مخلص خادموں کے سر پکڑ کر ہلاتے اور ان کو کسی نکتہ یا ضرورت کی طرف متوجہ فرماتے''۔

اور ع ''ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما'' کے مصداق ہیں اور آخرت میں خاص شرف وقبول سے مشرف ہوں گے۔ انشاءاللہ تعالی

اس لئے ان جیسے مصلحین امت، علمائے ربانیین میں سے کسی کی تنقیص وتحقیر اور ان کی خالص دینی خدمات کے انکار سے اپنے آپ کو بچائیں تاکہ اس کے وبال ونکال سے محفوظ رہیں۔ التوفیق من اللہ

حضرت مصلح الامتؒ کا اپنے لوگوں کو علو وفساد سے بچنے کی نصیحت

حضرت مصلح الامت مولانا وصی اللہ صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا کہ یہ آیت وطن سے آنے والوں کو سنا دو۔ وہ آیت یہ ہے ''تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ'' (سورہ قصص ۸۳) وہ دار آخرت ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں سربلندی اور فساد نہیں چاہتے ہیں اور انجام خیر متقیوں کے لئے مخصوص ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرتؒ کو علو، کبر اور فساد سے اپنے لوگوں کو بچانے کا کس قدر اہتمام تھا۔

اب ہم حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کی تفسیر سے اس کی ضروری تفسیر نقل کرتے ہیں۔

دار آخرت میں عالیشان مقام تواضع کرنے والوں کو نصیب گا

''وہ دار آخرت جو مخلوق کی نظر سے پوشیدہ ہے وہ گھر ہم ان لوگوں کو دیں

گے جو زمین میں علو اور سر بلندی نہیں چاہتے اور فساد نہیں چاہتے ہیں جیسے قارون نے چاہا تھا۔ اور انجام خیر متقی اور پرہیزگاروں کے لئے مخصوص ہے۔ اور تعلّی اور تکبر اور فسادِ عمل اخلاق رذیلہ میں سے ہے جو سراسر تقویٰ کے منافی ہے۔ اس کا انجام بہت برا ہے، جیسے فرعون نے اور قارون نے علو اور بڑائی چاہی اور اعمال فاسدہ کے مرتکب ہوئے تو دیکھ لو کہ ان دونوں کا کیا انجام ہوا۔ دار آخرت بہت بلند اور عالیشان ہے یہ عالیشان مقام ان لوگوں کے لئے ہے جو دنیا میں علو نہیں چاہتے۔ (تفسیر ادریسی)

حضرت مصلح الامتؒ کی تواضع اور اساتذہ کا ادب واحترام

فرماتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند میں بعض طلبہ اثنائے درس میں اساتذہ کی تقریر پر اشکال واعتراض کرتے تھے تو ہم لوگ منع کرتے تھے کہ خاموش رہو بعد میں ہم سمجھا دیں گے۔ تاکہ استاد کی کسی قسم کی دل شکنی نہ ہو۔

فرماتے تھے کہ دارالعلوم میں بعض اساتذہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو مُلاَّ خراسانی بطور تنقیص کے کہتے تھے تو طلبہ بھی ان کی نقل کرتے تھے جس کو میں ناپسند کرتا تھا، کیونکہ حضرت شیخ محدث دہلویؒ نے بھی مثل مجدد الف ثانی کے دینی وعلمی بہت کام کیا ہے، اصلاح وتربیت کی خدمت انجام دی ہے۔ وزیروں تک کو نصیحت لکھی ہیں، نیز بہت مفید تصانیف فرمائی ہیں جو معروف ومشہور ہیں۔

اسی طرح فرماتے تھے کہ ایک بڑے عالم جو حافظ حدیث تھے انھوں نے

اپنی خاص مجلس میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں صراحۃً رونے کا امر نہیں فرمایا ہے۔ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث یاد تھی جس میں ''وابک علی خطیئتک'' وارد ہے (یعنی اپنی خطاؤں پر رویا کرو) مگر غایت ادب سے خاموش رہا۔

میں نے کہیں لکھا دیکھا ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ فقہ حنفی کے دلائل کی توضیح کے لئے ہم امام شافعیؒ کے ادلہ کا جواب دیتے ہیں۔ لیکن اگر امام شافعیؒ ہمارے سامنے آجائیں تو ہم ان کے سامنے ادب کی وجہ سے بول نہیں سکتے۔

ف: سبحان اللہ اپنے اکابر کا ادب واحترام اپنے بڑوں کے ساتھ اس طرح تھا جس کی وجہ سے بڑے مرتبہ پر پہنچے۔ واللہ الموفق (مرتب)

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب دہلویؒ کی نصیحت

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اپنی تصنیف ''انفاس العارفین'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ: آپ کی باتوں اور عمل سے اکثر وبیشتر مترشح ہوتا تھا کہ کسی ایک بزرگ کو دوسرے بزرگ پر فضیلت یا ترجیح دینے کو، خاص طور پر اس انداز سے کہ کسی ایک کی تنقیص مقصود ہو آپ ناپسند فرماتے تھے۔

ف: مگر آج کل اپنے شیخ کی تفضیل اور دوسرے مشائخ کی تنقیص وتحقیر کو اپنی تکمیل کا زینہ سمجھا جاتا ہے اور عموماً مشائخ بھی اس پر روک ٹوک نہیں کرتے جس کی وجہ سے یہ وباء عام ہوتی جارہی ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ (مرتب)

نیز آپ فرماتے تھے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ساتھ جتنی بھی نیکی کی جائے وہ اس سے بھی زیادہ کے مستحق ہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ بہت ہی آسان ہے، کیونکہ والدین تو معمولی دلجوئی سے بھی انتہائی مسرور ہو جاتے ہیں اور اولاد کے معمولی احسان کو بھی انتہائی پدری شفقت کے سبب بہت بڑا احسان سمجھتے ہیں۔

ف: واقعی بات یہ ہے کہ والدین اولاد کی طرف سے معمولی ادب اور جھکاؤ کی بناء پر بڑے سے بڑے جرم کو معاف کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ اپنے بندوں کی خطاؤں کو بیک آہ و نالہ معاف فرما دیتے ہیں۔ پس اس معاملہ میں جیسے بندہ کا اللہ کو یا ربی کہنے سے اس کی رحمت خداوندی بندہ کی طرف مبذول ہو جاتی ہے اسی طرح والدین کو ابی و امی کہنے سے ان کا دل موم ہو جاتا ہے اور رحمت وشفقت پدری جوش مارنے لگتی ہے۔ مولانا رومؒ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے ؎

تا نگرید طفل کے جوشد لبن　　　تا نگرید ابر کے خندد چمن

یعنی بچے کے بغیر گریہ وزاری کے ماں کے دودھ میں جوش پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ بادل کے رونے ہی پر چمن کی شادابی موقوف ہے۔

کاش کہ اولاد کو بھی اس کا عشر عشیر (سواں حصہ) بھی احساس ہو جاتا تو گھروں میں اور رشتہ داروں میں باہم معاشرت خوشگوار ہو جاتی۔ (مرتب)

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازیؒ کی نصیحت

چنانچہ حضرت شیخ سعدیؒ نے یہ مفید نصیحت فرمائی ؎

نام نیک رفتگاں ضائع مکن　　　تا کہ ماند نام نیکت برقرار

یعنی گزرے ہوئے لوگوں کو بدنام نہ کرو تا کہ تمہارا نیک نام برقرار رہے۔

اس کے تحت اس حقیر کی گذارش ہے کہ علما کرام خواہ متقدمین میں سے ہوں یا ہمعصر متأخرین میں سے ہوں ان کی عزت وناموس کا خاص پاس ولحاظ رکھیں اور ان کی کسی قسم کی تنقیص کو روا نہ رکھیں اس سے علم کے برکات حاصل ہوں گے، اس لئے کہ مشہور مقولہ ہے

ع　با ادب بانصیب بے ادب بے نصیب

یعنی ادب ہی سے آدمی صاحب نصیب ہوتا ہے اور بے ادبی سے خائب وخاسر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جو لوگ تصوف وسلوک سے منسلک ہیں ان کو نسبت مع اللہ کے حصول کی فکر وسعی کرنی چاہیئے اس لئے کہ تمام سلسلوں کی غرض ومقصد یہی ہے نہ کہ ان کی رسوم وعادات۔ اس لئے دوسرے سلاسل کے بزرگوں کی تنقیص وتحقیر ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔ مگر افسوس کہ اب تو بہت سے ایسے لوگ ہیں جو دوسرے سلسلوں کے لوگوں کی تو کیا خود اپنے ہی سلسلہ کے لوگوں کی مذمت کرنے سے باز نہیں آتے۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ ایک واقعہ بیان فرماتے تھے کہ حرم پاک

میں کسی قادری شخص نے کہا کہ معین الدین چشتیؒ کافر تھے۔ تو چشتی نے کہا کہ حضرت عبدالقادرؒ کافر تھے۔ توبہ توبہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ حرم پاک میں ایسی ناپاک باتیں کہیں جائیں۔

اسی طرح کسی عالم ربانی یا مصلح ومرشد کے متعلق یہ ہرگز ہرگز نہ کہنا چاہئے کہ فلاں سے کام ہوا فلاں سے کام نہیں ہوا، کیا معلوم کہ کس سے زیادہ کام ہوا کس سے کم ہوا۔

اس لئے کہ اس کا فیصلہ تو بس اللہ جل شانہ ہی کی عدالت عظمٰی سے ہوگا، کیونکہ مدار قبولیت اَتباع ومتبعین کی کثرت پر نہیں ہے بلکہ طریقہ کار کی صحت اور صدق وخلوص پر ہے جو ایک باطنی کیفیت ہے جس کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى" (سورۂ نجم ۲۲) (اپنے نفس کو پاک وصاف اور اچھا نہ سمجھا کرو، وہ بہتر جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔)

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا ارشاد ہے کہ کثرت ہالکین سے دھوکہ میں نہ پڑو۔

"قال ابو علی الفضیل ابن عیاض مامعناه الزم طرق الهدیٰ ولا یضرک قلة السالکین وایاک وطرق الضلالة ولاتغتروا بکثرة الهالکین" (الفتوحات الربانية على الاذكار النووية ج۴ ص۱۸۳)

یعنی ہدایت وسنت کا راستہ اختیار کرو، اس پر چلنے والوں کی قلت تمہارے لئے نقصان دہ نہیں، اور گمراہی وضلالت کے راستوں سے بچو، ہلاک ہونے والوں (گمراہوں) کی کثرت سے تم دھوکہ مت کھاؤ۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ کثرت کا اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ اہل بدعت تو ہر زمانہ میں کثیر ہی ہوئے ہیں۔ تو پھر ان کی کثرت کی وجہ سے ان کی کیسے اتباع کی جائے گی۔ اس لئے کہ اتباع تو متبعین سنت کی ہوگی چاہے وہ قلیل ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں کہیں تحریر فرمایا ہے کہ ہندوستان میں بھی انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے مگر کسی کے ایک امتی ہوئے ہیں کسی کے دو اور کسی کے ایک بھی نہیں۔

تو کیا انبیاء علیہم السلام کے صدق وخلوص اور جدوجہد، مشقت وجانفشانی اور جان ومال کی قربانی پر کسی کو شک ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ **ذالک تقدیر العزیز العلیم**

اب ہم صوفیہ صافیہ کے متعلق حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ کی کتاب "تزکیہ واحسان" سے نقل کرتے ہیں جس میں تصوف وسلوک کی تاریخ اور اس کی افادیت پر خاصا کلام فرمایا۔ نیز اس کے متعلق یہاں تک فرمایا کہ ان کو امت سے نکال کر دیکھیں کہ ان کے بعد کیا رہ جاتا ہے، اور اگر ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا تو پھر کون سی جماعت لائق اعتماد اور سرمایۂ افتخار ہوگی؟

تزکیۂ نفس وتہذیب اخلاق

تزکیۂ نفس وتہذیب اخلاق کا وسیع ومستحکم نظام جس نے بعد کی صدیوں میں ایک مستقل علم اور فن کی شکل اختیار کرلی، نفس وشیطان کے مکاید کی

نشاندہی ،نفسانی اوراخلاقی بیماریوں کا علاج ،تعلق مع اللہ اورنسبت باطنی کے
حصول کے ذرائع وطرق کی تشریح وترتیب جس کی اصل حقیقت تزکیہ واحسان
کے ماثور وشرعی الفاظ میں پہلے سے تھی ،اورجس کا عرفی واصطلاحی نام بعد کی
صدیوں میں ''تصوف'' پڑ گیا ،اسی اجتماعی الہام کی ایک درخشاں مثال ہے،
رفتہ رفتہ اس فن کواس کے ماہرین نے اجتہاد کے درجہ تک پہنچادیا اوراس کو
دین کی بڑی خدمت اور وقت کا جہاد قراردیا ،جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے
قلوب ونفوس کی مردہ کھیتیوں کوزندہ کیا ،اورروح کے مریضوں کوشفادی ،ان
مخلص علماء ربانیین اوران کے تربیت یافتہ اشخاص کے ذریعہ دنیا کے دور دراز
گوشوں اورطویل وعریض ممالک (جیسے ہندوستان ، جزائر شرق الہند اور بر
اعظم افریقہ) میں وسیع پیمانہ پراسلام کی اشاعت ہوئی اور لاکھوں انسانوں
نے ہدایت پائی ،ان کی تربیت سے ایسے مردان کارپیدا ہوئے جنہوں نے
اپنے اپنے عہد میں مسلم معاشرہ میں ایمان ویقین اورعمل صالح کی روح
پھونکی ،اور بارہا میدان جہاد میں قائدانہ کردارادا کیا ،اس گروہ کی افادیت اور
اس کی خدمات سے انکار یا تو وہ شخص کریگا جس کی تاریخ اسلام پرنظرنہیں ،یا
جس کی آنکھوں پرتعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔

جیسا کہ حدیث متواتر کی تعریف اوراس کے قطعی الثبوت ہونے کی
دلیل میں اہل اصول کہتے ہیں کہ ''اتنی بڑی تعداد نے ہرزمانہ میں اس کی
روایت کی ہو کہ عقل سلیم اورانسانی عادات اس بات کو ماننے کیلئے تیارنہ ہوں
کہ اتنے کثیر انسانوں نے غلط بیانی اورافتراء پردازی پراتفاق کرلیا ہے اور یہ

کسی سازش کا نتیجہ ہے'' تاریخ کے سرسری مطالعہ سے بھی یہ بات واضح
ہوجاتی ہے کہ قرن ثانی سے لے کراس وقت تک بلاانقطاع اور بلااستثنا ہردور
اور ہرملک کے خدا کے کثیر التعداد مخلص بندوں نے اسی طریقہ کواختیار کیا ،اور
اس کی دعوت دی ،خود فائدہ اٹھایا اوردوسروں کو فائدہ پہنچایا ،اورساری زندگی
اس کی اشاعت میں مشغول وسرگرم رہے ،اوران کواس کی صحت وافادیت کے
بارے میں پورا یقین واطمینان حاصل تھا ،وہ اپنے ماحول ومعاشرہ کا خلاصہ و
عطر تھے ،اور نہ صرف اپنی راست بازی ،خلوص و بےغرضی ، پاک نفسی اور
نیک باطنی میں ،بلکہ کتاب وسنت کے علم ،سنت کی محبت وعشق اور بدعات سے
نفرت وکراہیت میں بھی اپنے معاصرین میں فائق اورممتاز تھے ،ایک دو کا ،یا
دس پانچ کا کسی غلط فہمی یا سازش کا شکار ہوجانا ممکن ہے ،اور بعید از قیاس نہیں
لیکن لاکھوں انسانوں کا جو اپنے علم وعمل میں بھی امت کی صف اول میں نظر
آتے ہیں ،علیٰ سبیل التواتر صدیوں تک اس غلط فہمی میں مبتلا رہنا ،اس پراصرار
کرنا ، اوراس کی دعوت دینا ، اس پر پورے عزم واستقامت کے ساتھ قائم
رہنا خلاف عقل اورخلاف عادت بات ہے ،پھران انفاس قدسیہ سے لاکھوں
کروڑوں انسانوں کا ہدایت یافتہ اورفیض یاب ہونا اوراعلیٰ باطنی وروحانی
کمالات تک پہنچنا خبر متواتر ہے ،جس کا انکار ممکن نہیں ،عقلاً وعادتاً یہ بات
بالکل ناممکن معلوم ہوتی ہے کہ زمانی ومکانی اختلاف کے باوجود صادقین و
مخلصین کا یہ گروہ عظیم متواتر ومسلسل طریقہ پرایک غلط فہمی میں مبتلا رہا ،اوراللہ
تعالیٰ نے بھی جورحیم وحکیم اورہادئ مطلق ہے ،اورجس کا وعدہ ہے کہ:

وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (العنکبوت / ۶۹)

اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں بڑے بڑے مجاہدے اور کوششیں کیں ہم ان کو ضرور بالضرور اپنے صحیح راستوں پر لگا دیں گے، بیشک اللہ تعالیٰ ہمت وصداقت کے ساتھ کام کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ان کی اس غلط فہمی کا پردہ چاک نہیں کیا، اوران کی دستگیری نہیں فرمائی، آپ تاریخ اسلام میں سے ان صادقین ومخلصین کو جن میں ایک ایک آدمی اپنے عہد کا گل سرسبد، منارۂ نور اور نوع انسانی کے لئے شرف وعزت کا باعث ہے، نکال کر دیکھیں کہ ان کے بعد کیا رہ جاتا ہے، اور اگر ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا تو پھر کون سی جماعت لائق اعتماد اور سرمایۂ افتخار ہوگی؟ (تزکیہ واحسان، ص ۳۱۱)

ف :سبحان اللہ! کیا خوب بصیرت افروز واثر انگیز مضامین وحقائق ہیں جو غور وخوض سے پڑھنے کے لائق ہیں، اور اس کے مطابق ہم سب کو اس سانچہ میں اپنے کو ڈھالنے بلکہ سنوارنے کی اشد ضرورت ہے خاص طور سے ان لوگوں کو جو تصوف وسلوک کی طرف منسوب اور صوفیہ صافیہ سے مربوط ہیں ان کو تو خاص طور سے ان پر عمل کرنا چاہئے۔ (مرتب)

تصفیۂ نفس کے متعلق حضرت جعفر صادقؒ کا ارشاد

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور قول ہے کہ اے میرے بھائی انسان! تم کس بات پر اس درجہ گھمنڈ کرتے ہو، ایک قطرۂ ناپاک سے

تمہاری ابتداء ہوئی اور ایک ناپاک مردار ہونا تمہارا مقدر ہے، درمیانی وقفہ جس میں روح کارفرما ہے، اس کی پاکی کو ناپاک نہ کرو۔

(مکررات قرآن[1] مؤلفہ مولانا عبداللہ عباس صاحب ص ۱۰۷)

ف: سبحان اللہ سیدنا حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی مفید نصیحت فرمائی جو قرآن پاک کے نزول اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔ یعنی انسان کی ابتدائی وآخری حقیقت کے بیان کے بعد قلب کی درستگی اور روح کی پاکی کی طرف متوجہ فرمایا فجزاہم اللہ

دعا ہے اللہ ہمیں اپنی زندگی کی نوعیت کو سمجھنے اور اصل مقصود کو اپنانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین (مرتب)

گذارش ودرخواست

حضرات ناظرین سے بصد ادب وخلوص درخواست ہے کہ اس ناکارہ کے لئے (جس کا دل گناہوں سے سیاہ ہے اور اعزہ واحباب کی طرف سے اذیتوں کا شکار ہے جس کا میں بجاطور پر مستحق ہوں) دعا کریں کہ اللہ میری اصلاح فرمائے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں جو کوتاہی ہو رہی ہے اس کو اللہ معاف فرمائے۔ اور اگر میرے حق میں کسی سے کوتاہی ہوئی ہے اس کو میں نے معاف کیا، اللہ بھی معاف فرماوے۔ آمین

ع بر کریماں کارہا دشوار نیست

[1] بہت ہی مفید وبصیرت افروز کتاب ہے اس لئے علماء کرام کو ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔ (مرتب)

ضروری تحقیق

ہاں ایک ضروری تحقیق جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے معافی نامہ ملقب بہ ''العذر والنذر'' میں (جو پہلے نقل کیا جاچکا ہے) ارقام فرمایا ہے اس کو نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔

کسی کی خطا معاف کر دینے پر اور عذر قبول کر لینے پر یہ لازم نہیں کہ اس سے دوستی وخصوصیت بھی رکھے۔ بعض اوقات اس پر قدرت نہیں ہوتی اور بعض اوقات بعد تجربہ کے اس میں مصلحت نہیں ہوتی البتہ اتنا ضرور ہے کہ اگر اتفاق سے ملاقات ہو جائے تو باہم سلام کر لے۔ اور اگر ایک کی طرف سے کوئی ضروری بات چیت ہو تو دوسرا اس کا مناسب جواب دیدے گو مختصر ہی ہو۔ اور اگر ضرورت سے زیادہ بات چیت کا سلسلہ ہونے لگے جس سے بے تکلفی پیدا کرنے کا احتمال ہو تو نرمی سے عذر کر دے۔ (اشرف السوانح ج۳ ص۱۴۱)

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشیؓ سے ان کے ایمان لانے کے باوجود ان کو دیکھنے سے عذر فرمادیا۔

حضرت وحشیؓ کا واقعہ

اسی قبیل سے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ اسلام لانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا سکتے ہو تو ایسا کرو۔ چنانچہ وہ تمام عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ گئے اور اپنا چہرہ نہ دکھلایا۔

ف: اس واقعہ سے دو اہم باتیں مفہوم ہوتی ہیں جو اسوہ بنانے کے لائق ہیں۔

ایک تو یہ کہ کبھی کسی کام کے سلسلے میں کوئی شرعی عذر نہیں ہوتا مگر طبعی عذر ہوتا ہے کہ اس پر عمل کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کی سب خطائیں خود بخود عنداللہ معاف ہو گئیں اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر سے بھی ان کی جملہ خطائیں محو ہو گئیں تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے فطری اور طبعی محبت کی بنا پر غیر اختیاری طور سے حضرت وحشیؓ کو سامنے آنے سے روک دیا تاکہ ان کے دیکھنے سے قلب پر حزن وغم کا شدید اثر نہ ہو۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کوئی مربی، شیخ، استاذ اور مقتداء وامام کسی ایسے کام کے کرنے کا امر فرمائیں جو طالب کے مزاج کے خلاف ہو تب بھی بے چوں وچرا مان لینا عین سعادت اور دین وشریعت کی اتباع ہے۔ چنانچہ یقین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض صحبت سے خواہ لمحہ ہی کی ہو اس سے صحابیت کا شرف تو حاصل ہو ہی گیا تھا جو ہزاروں قطبیت سے بالاتر ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء ومرضی اور آپ کے صریح امر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی غایت عقیدت ومحبت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے صبر کرنا انشاء اللہ عنداللہ مزید موجب شرف وکرامت ہوگا۔ (مرتب)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاف نہ کرنے کے واقعات

اب تک آپ معافی مانگنے اور معاف کرنے کے واقعات ملاحظہ فرمار ہے

تھے اب معاف نہ کرنے کے واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجو گو شاعر کو معاف نہ کرنا

"**لایلدغ المومن من جحر واحد مرتین**" (بخاری شریف ج۲ ص۹۰۵)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عبدالعزیز خولی مصریؒ نے بہت مفید وبصیرت افروز باتیں تحریر فرمائی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوعزہ شاعر غزوۂ بدر کے دن قید کر کے لایا گیا مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے اہل وعیال اور فقر وفاقہ کے بارے میں اطلاع کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے متأثر ہوئے اور بلا فدیہ ہی کے رہا فرمادیا اور اس سے عہد لیا کہ اب ہمارے خلاف ہجو وشکایت کی باتیں نہ کرنا مگر وہ اس سے باز نہ آیا۔ یہاں تک کہ غزوۂ احد میں گرفتار ہوکر آیا، تو دوبارہ رہائی کی درخواست کی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم مکہ میں جا کر کہو گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ دو مرتبہ مذاق وہنسی کیا اور ان کو اپنی باتوں سے دو مرتبہ دھوکہ دے کر رہائی حاصل کر لی۔ اس کے بعد اس کے قتل کا امر فرمایا اور ارشاد فرمایا "**لایلدغ المومن من جحر واحد مرتین**" یعنی مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈنسا نہیں جاتا۔

اس سے بخوبی معلوم ہوا کہ مومن متیقظ اور بیدار مغز ہوتا ہے کہ گذرے ہوئے واقعات سے عبرت ونصیحت حاصل کرتا ہے اور تجربوں سے آئندہ کے معاملہ میں ہوشیار ہو جاتا ہے اور اس کے مطابق دوست اور دشمن کے ساتھ

سلوک کرتا ہے۔ اگر کبھی غلظت وسختی کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو شدت وسختی اختیار کرتا ہے اور اس میں وہ حق بہ جانب ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے بارے میں غلظت کا امر فرمایا ہے۔

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ:۔

اس حدیث سے تم نے جان لیا کہ ایمان اور غفلت دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے، بلکہ ایمان احتیاط اور زیرکی کا متقاضی ہوتا ہے نہ کہ غفلت ولاابالی پن۔

پس خوب سمجھ لیں کہ جو لوگ گذشتہ واقعات سے عبرت حاصل نہیں کرتے اور تجربوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے تو ان کے نفوس وقلوب میں ابھی ایمان درجۂ کمال کو نہیں پہنچا، خواہ رسوم عبادت کے پابند ہی کیوں نہ ہوں۔

(الادب النبوی ص۹۶)

ف: اس حدیث پاک کی روشنی میں امت کے افراد کو خواہ رعیت سے متعلق ہوں یا اصحابِ حکومت سے، اعدائے اسلام کے مکر وفریب سے بچنے کے لئے دینی وسیاسی تیقظ وبیداری کی ضرورت ہے، تا کہ ان کے جھوٹے وعدوں اور غلط پالیسیوں کے دام تزویر کے شکار نہ ہو جائیں۔

مرشدی حضرت مصلح الامتؒ جس طرح رشد وصلاح سے متصف تھے ویسے ہی حزم واحتیاط سے بھی بہرہ ور تھے، اس لئے اپنے اصحاب کو فہم ودانشمندی کی باتیں سکھلاتے تھے، اور اس کی اہمیت پر شد ومد سے کلام فرماتے تھے تا کہ وہ اپنی اصلاح بخوبی کر سکیں، دوست ودشمن کو پہچان کر اس کے مطابق سلوک کر سکیں۔ (مرتب)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محلم کی خطا کو معاف نہ کرنا

محلم ابن جثامہ نے ایک لڑائی میں عامر کو قتل کر دیا۔ محلم جب عامر کی طرف حملہ کرنے آئے تو عامر نے اسلام کا سلام ''السلام علیکم'' کہا۔ محلم اور عامر کے درمیان زمانۂ جاہلیت سے کچھ رنجش چلی آ رہی تھی، محلم نے موقعہ غنیمت جانا اور عامر کے السلام علیکم کہنے کے باوجود ان پر تیر چلا کر قتل کر دیا۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا، محلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس غلطی پر معافی چاہی، ایک بے قصور مسلمان کا مسئلہ تھا، جو حق کے لئے نہیں بلکہ اپنی ذاتی رنجش کی بناء پر قتل کیا گیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محلم سے فرمایا:

''**لا غفر الله لک**'' اللہ تجھے اے محلم! معاف نہ کرے۔ محلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی دیکھ کر کھڑے ہو گئے، آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ''**وھو یتلقی دموعه ببردیه**'' چادر کے کونوں سے آنسو پونچھتے ہوئے چلے گئے، محلم پر سات دن نہیں گذرنے پائے تھے کہ محلم کا انتقال ہو گیا۔ لوگوں نے اسلامی طریقہ کے مطابق محلم کو دفن کر دیا، لیکن ''**فلفتہ الارض**'' زمین نے محلم کی نعش کو باہر پھینک دیا، صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آ کر اطلاع دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''**الارض تقبل من ھو شر من صاحبکم ولکن الله اراد ان یعظکم**'' زمین نے اس شخص سے زیادہ برے آدمی کو قبول کر لیا، لیکن اللہ تعالیٰ

تم لوگوں کو نصیحت کرنا چاہتا ہے، اس لئے محلم کی نعش کو زمین نے قبول نہیں کیا۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محلم کی نعش کو پہاڑ کی وادی میں پھنکوا دیا اور اس پر پتھر ڈلوا دئے۔

بعض اکابر سے بھی معاف نہ کرنا ثابت ہے

اب تک آپ نے اکابر کے صاحب حق سے معافی مانگنے اور صاحب خطا کے عذر کو قبول کرنے کے واقعات پڑھے مگر اکابر ہی کے بعض ایسے واقعات بھی سنے اور پڑھے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ان اکابر ہی نے اپنی بے ادبی، گستاخوں کی خطا کو معاف نہ فرمایا اور ان بدبختوں سے تاحیات ناراض ہی رہے اور اس کا اظہار سخت کلمات میں فرماتے رہے۔

حضرت مولانا فضل رحمٰن کا اپنے لڑکے کی خطا کو معاف نہ کرنا

حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے متعدد بار یہ واقعہ سنا کہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کو بستی والوں نے تالی بجاتے ہوئے نہایت ذلت کے ساتھ ان کی بستی سے نکالا جس کی وجہ سے گنج مرادآباد میں قیام فرمایا۔ مگر افسوس صد افسوس کہ ان کی پہلی بیوی سے ان کا لڑکا بھی ان تالی بجانے والے گستاخوں کی جماعت میں شریک تھا۔

ظاہر ہے کہ غیروں سے بھی ایسی گستاخی دل کے لئے موجب حزن و غم ہوتی ہے چہ جائیکہ خاص لڑکے سے ایسی قساوت قلبی کا صدور کس قدر شیشۂ دل

کو چور چور کرنے والا ہوگا۔اس لئے مولاناؒ جب اس لڑکے کو دیکھتے تو فرماتے نکالو اس مردود کو۔مگر حضرتؒ کی دوسری اہلیہ کھڑکی کے راستہ سے اس کو بلا کر کچھ دیکر چپکے سے رخصت کر دیتی تھیں۔اور شاید قطبِ عالم مولاناؒ کو ایسے بہت سے اذیت رساں اور دلخراش واقعات پیش آئے ہونگے جس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت مبذول ہوئی ہو، اور وہ قرب وقبول کے شرف سے نوازے گئے ہوں۔

چنانچہ اس زمانہ کے اکابر علماء ان کی ولایت کے مقر ومعترف ہوئے۔اور حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ،حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؒ،حضرت مولانا بدر علی صاحب رائے بریلویؒ ان کے خلفاء میں سے ہوئے۔اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی باوجود حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی چشتیؒ سے تعلق بیعت کے کانپور سے دو مرتبہ گنج مرادآباد حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب نقشبندیؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔جس کی تفصیل حضرت حکیم الامتؒ نے نیل المرادفی سفر گنج مرادآباد نامی رسالہ میں تحریر فرمایا ہے۔

رہا حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحبؒ کے لڑکے کی بے ادبی وگستاخی کے واقعہ کا صدور جب اس زمانہ میں ہوا تو آج جب کہ زمانہ فساد ہی کی طرف بڑھ رہا ہے ایسے واقعات کا وقوع موجب تعجب نہیں ہے بلکہ عین قرین قیاس ہے۔ یٰحَسۡرَةً عَلَى الۡعِبَادِ

اسی طرح کا واقعہ حضرت مصلح الامتؒ ہم سب کی عبرت ونصیحت ہی کے لئے سنایا کرتے تھے کہ ایک شخص جو صاحب علم تھے خانقاہ تھانہ بھون میں

رہتے تھے جو کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے متعلق قطب دوراں وغیرہ جیسے القاب لکھا کرتے تھے۔مگر جب طبیعت میں فساد و بگاڑ آیا تو حضرت حکیم الامتؒ کو نصرانی تک لکھا۔العیاذ باللہ تعالیٰ

ظاہر ہے کہ اس سے حضرت مولاناؒ کو کیسی کچھ اذیت پہنچی ہوگی ،اس لئے ان کو موذی مرید کے نام سے یاد فرماتے تھے،اور خانقاہ میں قیام سے منع فرمایا۔

اسی طرح حضرت مصلح الامتؒ ہی سے سنا کہ مکۃ المکرّمہ میں حاجی امداد اللہ صاحبؒ جس مکان میں قیام فرماتے تھے اس کے پڑوس ہی میں ایک ڈاکٹر کا مکان تھا وہ اپنی کھڑکی کھول دیتا تھا جس کی وجہ سے حضرت حاجی صاحبؒ کے گھر کی بے پردگی ہوتی تھی ،منع کرنے سے نہ مانتا تھا، تو حضرت حاجی صاحبؒ سے لوگوں نے کہا کہ اس کے متعلق عدالت میں استغاثہ داخل کر دیں تاکہ وہ باز آجائے۔تو فرمایا ہم لوگ مجازی عدالت میں استغاثہ داخل نہیں کرتے ،ہاں عدالت حقیقیہ میں استغاثہ داخل کر دیا ہے۔

ظاہر ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے لئے کتنی اذیت کی بات تھی جس کی وجہ سے اللہ کے دربار میں اس کے متعلق نالش کر دی۔

نیز حضرت مصلح الامتؒ ہی سے سنا کہ ایک بزرگ اپنے کسی مرید کی دعوت پر اس کے یہاں کھانے کے لئے تشریف لے گئے ،مگر ان بزرگ کو محسوس ہوا کہ میری طرف سے اس نے بے اعتنائی برتی ہے تو غیرت کی بناء پر واپس لوٹ گئے اور کھانا تناول نہ فرمایا۔

ف: یاد رکھئے اپنے مرید کی اس بیجا رویہ پر ناخوشی یوں ہی نہ تھی بلکہ یہ طریق

ودین کی غیرت کی بناء پر تھی جو ضروری تھی۔ افسوس آج تو عموماً اپنے بڑوں کے ساتھ یہ معاملہ وسلوک کیا جاتا ہے اور اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔
یٰحَسْرَةً عَلَی الْعِبَادِ (مرتب)

اسی طرح ایک واقعہ میں نے کسی کتاب میں دیکھا کہ کسی باپ نے اپنے لڑکے سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو بہت پسند تھا تو اس نے کہا کہ کدو تو بہت گندی چیز ہے۔ وہ عاشق رسول والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بے ادبی کی بات کو سن کر برداشت نہ کر سکے اور تلوار سے اس کے سر کو قلم کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی عظمت کو اپنے ثمرۂ قلب پر ترجیح دیا۔

ف: سبحان اللہ! یہ تھی غیرت ایمانی ودینی، جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی پر ایک منافق کو قتل کر دیا تھا۔

اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جو کتابوں میں مذکور ہیں یہ چند واقعات جو نقل کئے ہیں وہ عبرت ونصیحت کے لئے کافی ہیں۔ اللہ ہم سب کو ایسی بے ادبی وگستاخی سے بچائے اور اس کے وبال سے محفوظ رکھے۔ **واللہ ولی التوفیق** (مرتب)

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کی بددعائیں

اب ہم ”**تحفة العلوم والحکم بشرح خمسین من جوامع الکلم**“ المعروف بہ ”تحفۂ علم وحکمت“ مؤلفہ حضرت مولانا ابوطاہر محمد اسحاق خانصاحب ؒ سے عنوان ”اللہ والوں کی بددعا سے بچنے کی شدید ضرورت“ کے

تحت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بددعا کے جو واقعات نقل فرمائے ہیں مزید بصیرت کے لئے نقل کرتے ہیں جن کو حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب ؒ بھی دوسری کتابوں سے سنایا کرتے تھے کہ اکابر سے صرف تواضع وفروتنی ونیک دعائیں ہی ثابت نہیں ہے بلکہ بعض لوگوں پر ان کی خفگی اور بددعا تک مروی ہے۔

اللہ والوں کی بددعا سے بچنے کی شدید ضرورت

جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے نیک بندوں کی قبولیت دعا کا یہ عالم ہے تو پھر ایسے اللہ والوں کی بددعا سے بچتے رہنے کی شدید ضرورت ہے، ورنہ ان کی بددعا کے آثار ونتائج بڑے سنگین اور تباہ کن ہوتے ہیں۔ **والعیاذ باللہ العظیم**

چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک آدمی نے ان پر کوئی بہتان باندھا تو آپ ؓ نے اس کو اس طرح بددعا دی:

اللهم ان كان كاذبا فاعم بصره واطل عمره وعرّضه للفتن. (جامع العلوم والحکم ص۳۲۱)

اے اللہ! اگر یہ شخص (اپنے اس بہتان میں) جھوٹا ہے تو اس کی آنکھوں کو اندھا کر دے، اس کی عمر دراز فرما دے، اور اس کو فتنوں کا نشانہ بنا دے۔

چنانچہ ایسے ہی ہوا اس شخص نے لمبی عمر پائی، وہ گلی کوچوں میں ذلیل وخوار ہوکر دھکے کھاتا پھرتا اور لوگوں سے کہتا: ”**شیخ کبیر مفتون اصابته دعوة سعد**“ (میں فتنہ کا مارا ہوا ایک بڑھا ہوں جس کو سعد کی بددعا نے تباہ کر دیا)

اسی طرح انہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں جب ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دی، تو آپؓ نے اس کو بددعا دی، جس سے وہ ابھی وہاں سے ہٹنے نہیں پایا تھا کہ ایک بپھرے ہوئے اونٹ نے وہیں اس کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ **العیاذباللہ العظیم**

جب سعید بن زیدؓ کی بیوی نے آپؓ سے ایک زمین کے بارے میں جھگڑا کیا کہ یہ زمین میری ہے اور یہ کہ انھوں نے اس کو زبردستی دبالیا ہے، تو آپؓ نے اس کو طرح بددعا دی:

اللھم ان کانت کاذبۃ فاعم بصرھا واقتلھا فی ارضھا. اے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اس کو اندھا کر کے اس کی اپنی زمین میں ہی مار دے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس کے بعد وہ عورت اندھی ہوگئی اور اپنی ہی زمین میں چلتے چلتے ایک کنوئیں میں گر کر وہیں مرگئی۔ **والعیاذباللہ العظیم**

(تحفۂ علم وحکمت ص ۵۹۹)

چند رباعیات جو بزرگوں کی عبدیت وانابت پر دال ہے

اب ہم شیخ سعدی شیرازیؒ کی نہایت جامع وپرتاثیر دعا نقل کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔ ؎

بر درِ کعبہ سائلے دیدم   کہ ہمی گفت ومی گریستی خوش
من نگویم کہ طاعتم بپذیر   قلمِ عفو بر گناہم کش

یعنی کعبہ کے دروازہ پر ایک سائل کو دیکھا کہ خوب رو رہا تھا اور یہ کہہ

رہا تھا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میری طاعت وعبادت قبول فرما، بلکہ میری عرض صرف یہ ہے کہ میرے گناہوں پر معافی کا خط کھینچ دے۔ ؎

زلطفت ہمی چشم داریم نیز   بدیں بے بضاعت بہ بخش اے عزیز
بضاعت نیاوردم الّا امید   خدایا ز عفوم مکن ناامید

یعنی اے اللہ، اے عزیز! آپ کے لطف وکرم سے ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ اس بے بضاعت مفلس کو بخش دیں گے آپ کے پاس سوائے امید کے اور کچھ بھی لیکر نہیں آیا ہوں پس اے اللہ! اپنے عفو سے مجھے ناامید نہ فرما۔

اب ہم حضرت العلامہ سید سلیمان ندویؒ کی رباعی نقل کرتے ہیں (جو یقیناً آپ کے احوالِ رفیعہ اور قلب کے سوز وگداز پر شاہد عادل ہیں) ؎

دل کو نصیب ہو گداز، حال کو عطا ہو سوز وساز
ہے یہ دعا بصد ادب، در گہِ بے نیاز میں
دل جو ملا سیاہ کار، آنکھ عطا ہو اشکبار
دھوئے جو دل کو بار بار، خلوت خاص راز میں

دوسری دعا کی رباعی وہ ہے جسے اس حقیر کو حضرت مولانا حکیم محمد مسعود صاحب اجمیریؒ نے تلقین فرمائی تھی۔ ؎

توبہ کردم بارہا و بشکستمش بارِ دیگر   از تو چنداں لطفہا از بندہ چنداں فسق وشر
نہ سیاہ کاریٔ من گو قابلِ بخشش مگر   چشم رحمت بر کشا موئے سفید من نگر

میں گناہوں سے بار بار توبہ کی مگر ہر مرتبہ اس کو توڑ دیا' آپ کی طرف سے تو لطف ہی لطف ہے مگر اس بندہ کی طرف سے سوائے فسق وشر کے کچھ بھی

نہیں، میری سیاہ کاری اگر چہ قابل بخشش نہیں ہے مگر آپ چشم رحمت کھولئے
اور میرے سفید بال ملاحظہ فرمائیے۔

پس ان بزرگان دین کے ان ملفوظات اور دعاؤں سے بخوبی معلوم ہوا
کہ اللہ تک پہنچنے کا طریق اپنے کمالات سے صرف نظر کرنا اور اپنے زلات
(لغزشوں) اور نقص وقصور کا اعتراف کرنا ہے۔

چنانچہ مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تنہائی میں اپنی زبان
پکڑ کے یہ فرماتے تھے کہ اس نے ہم کو ہلاکت کی جگہ تک پہنچایا ہے۔

پس یہ سنت ہوئی حضرت خلیفہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کہ خلوت
میں اپنے نفس کو سرزنش کرتے تھے۔ اس سے تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن کا
کس قدر اہتمام معلوم ہوتا ہے۔

اسی کی عارف رومیؒ نے بھی ہدایت فرمائی ہے ؎

ہر کہ نقص خویش را دید وشناخت   سوئے استکمال خود دواسپہ تاخت

یعنی جس نے اپنے نقص کو جانا پہچانا وہ اپنے کمال کی طرف تیزی سے دوڑا۔

بخلاف اس کے جسے اپنے کمالات کا غرور وپندار ہے تو وہ کمال کی طرف
بڑھے گا کیا، گھٹتا ہی چلا جائے گا۔ اسی کو مولانا رومیؒ یوں فرماتے ہیں ؎

او نمی پرّد بسوئے ذوالجلال   کو گمانے می برد خود را کمال

یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس لئے پرواز نہیں کر رہا ہے کہ اپنے متعلق
کمال کا گمان رکھتا ہے۔

اس لئے کہ اس طریق میں جھوٹے دعوؤں کا ترک کرنا ہی اصلاح کے

لئے اصل وبنیاد ہے۔ اور یہی اس کے کمال کی طرف ترقی کی اساس ہے۔
بغیر اس کے نقصان ہی نقصان ہے۔ (مرتب)

اب اخیر میں عبد کامل نبی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی چند دعائیں جو نہایت
اثر انگیز اور آپ کے عجز وعبدیت کاملہ پر دال ہیں، نقل کرنے کی سعادت
حاصل کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہم کو ان دعاؤں کو بصد خلوص کرنے کی توفیق
مرحمت فرمائے اور شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین وما ذالک علی اللہ بعزیز

۱: اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرْدِ وَنَقِّ قَلْبِیْ مِنَ
الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَيْنِیْ وَبَيْنَ
خَطَايَایَ كَمَا بَاعَدتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (مشکوٰۃ شریف)

یا اللہ دھودے گناہ میرے برف اور اولے کے پانی سے، اور پاک کردے میرے
دل کو گناہوں سے جیسا کہ سفید کپڑا میل سے صاف کیا جاتا ہے۔ اور میرے اور میرے
گناہوں میں ایسا فصل کردے جیسا کہ تو نے مشرق ومغرب میں فصل کیا ہے۔

۲: اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰيهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ
وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا. (بخاری ومسلم)

یا اللہ دے میرے نفس کو اس کی پرہیزگاری اور پاک کردے اس کو، تو ہی
سب سے بہتر اس کو پاک کرنے والا ہے تو ہی مالک اس کا اور آقا اس کا ہے۔

اخیر میں ایک نہایت جامع دعا ملاحظہ فرمائیں۔

۳: اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ مِنْ خَيْرِ مَاسَئَلَکَ مِنْهُ نَبِيُّکَ مُحَمَّدٌ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم. (ترمذی عن امامة)

یا اللہ ہم تجھ سے وہ سب بھلائیاں مانگتے ہیں جو تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہیں۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ الٖہ واصحابہ اجمعین، برحمتک یاارحم الراحمین.

محمد قمر الزمان الہ آبادی عفی عنہ
ادارہ معارف مصلح الامتؒ
۶۴ر۳۰ ڈی بلاک کریلی الہ آباد
۲۹ر محرم الحرام ۱۴۲۹ھ ۸ر فروری ۲۰۰۸ء

مأخذ و مصادر

قرآن مجید	:	
بیان القرآن	:	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
معارف القرآن ادریسی	:	مفسر قرآن حضرت مولانا ادریس صاحبؒ
بخاری شریف	:	امام محمد ابن اسمٰعیل البخاریؒ
مسلم شریف	:	امام ابوالحسن مسلم بن الحجاجؒ
ترمذی شریف	:	علامہ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذیؒ
ابوداؤد شریف	:	الامام الناقد سلیمان بن الاشعث ابوداؤد السجستانیؒ
ابن ماجہ شریف	:	الامام محمد بن الربعیؒ
فیض القدیر شرح جامع الصغیر	:	علامہ محمد عبدالرؤف المناویؒ
المشکوٰۃ المصابیح	:	حضرت ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزیؒ
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ	:	حضرت ملاعلی قاریؒ
مدارج السالکین	:	حضرت العلامہ ابن القیمؒ
روح المعانی	:	العلامہ ابوالفضل شہاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادیؒ
اسوۂ رسول اکرم ﷺ	:	حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ
احیاء العلوم	:	حضرت امام غزالیؒ
ریاض الصالحین	:	ابوزکریا محی الدین بن اشرف النوویؒ
رسالہ معرفت حق	:	حضرت مصلح الامتؒ
گلدستۂ علم ونظر	:	حضرت مولانا برہان الدین صاحبؒ
الفاروق	:	علامہ شبلیؒ
من معین الشمائل	:	علامہ صالح احمد الشامیؒ
صحائف معرفت	:	شاہ عبدالرزاق صاحب جھنجھانویؒ
طبقات کبریٰ	:	علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ
گلستاں	:	شیخ سعدیؒ
بوستاں	:	″ ″ ″